بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب

محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ قاسمی

ناشر
مکتبہ نعیمہ

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حضرت مولانا الیاس صاحبؒ اور تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب
مرتب	:	محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی
کمپوزنگ	:	رحمانی گرافکس،9270708963
صفحات	:	82
اشاعت	:	پہلا ایڈیشن2025ء
قیمت	:	
ناشر	:	مکتبہ نعیمہ ، ممبئی
ملنے کے پتہ	:	ادارۂ صدیق ڈابھیل 9664918503 مکتبہ نعیمہ ممبئی 9819886832

نمبر	عناوین	صفحہ
	مولانا الیاس صاحبؒ پر اعتراضات اور اس کے جوابات	
۱	تقریظ	۵
۲	پیشِ لفظ	۸
۲	استفتاء از ڈاکٹر سید محمود قادری	۹
۳	جواب از دارالافتاء جامعہ ڈابھیل بقلم مفتی اسماعیل گودھروی	۱۰
۴	تحفظات برفتوی مدرسہ ڈابھیل از ڈاکٹر سید محمود قادری	۱۸
۵	تنقیح وتنقیص برفتوی مدرسہ ڈابھیل ازمفتی احمد الرحمان قاسمی	۱۹
۶	تحقیر وتبصرہ برفتوی مدرسہ ڈابھیل از مولوی شیخ مقبول احمد الحنفی	۲۴
۷	جواب آں غزل از بندہ ناتواں محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی	۲۵
۸	نصوص جہاد اور سبیل اللہ کو مروجہ دعوت وتبلیغ پر منطبق کرنے کا حکم	۴۲
	تبلیغی جماعت پر ایک اعتراض اور اس کا جواب	
۱	پیش لفظ	۵۶
۲	تبلیغی جماعت پر ایک اعتراض از معترض محترم کیا تبلیغی جماعت کی خیر ان کے شر پر غالب ہے؟	۵۷
۳	جوابِ آں غزل - از ہیچ مداں محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی	۵۹
۴	تبلیغی جماعت کے متعلق میرا موقف - از معترض محترم رجوع بنامِ وضاحت	۶۳
۵	جواب از ہیچ مداں	۶۴

نمبر	عناوین	صفحہ
۶	دلائل کے تاج خواہشات کے قدموں میں	۶۴
۷	آں محترم کا جواب بر تحریرِ من اور گزارشات بندہ	۶۷
۸	بعض علماء کا تبلیغی جماعت کے بارے میں تجزیہ و استقراء	۷۱
۹	تبلیغی جماعت اور مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۷۱
۱۰	حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:	۷۲
۱۱	تبلیغی جماعت اور شیخ العرب والعجم حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۷۳
۱۲	مودودی صاحب لکھتے ہیں:	۷۳
۱۳	تبلیغی جماعت اور برطانیہ کے نوجوان حفاظ اور علماء	۷۳
۱۴	تبلیغی جماعت اور حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ	۷۴
۱۵	آخری مضمون پر معترض موصوف گویا ہوئے:	۷۵
۱۶	جواب از بندہ پر تقصیر	۷۵
۱۷	ناچیز کی آں محترم کو نصیحت اور دیگر حضرات کو آگاہی و گزارش	۷۷
۱۸	آں محترم کی کج فہمی	۷۷
۱۹	دین کی مددگار جماعت	۷۸
۲۰	گمراہی کے بنیادی اسباب	۸۱

تقریظ

از : مفتی عمران بن مولانا عبدالرحمن قاسمی
(استاذ فقہ و حدیث مدرسہ ٹکولی گجرات، فاضل جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على حبيبناوشفيعنا، سيد الأنبياء والمرسلين وعلي آله وصحبه أجمعين. أما بعد

موجودہ تبلیغ کی مبارک محنت اپنی کامیاب زندگی کی ایک صدی سے زائد کا عرصہ گزار چکی ہے اور موجودہ دور میں اپنے عالمی اصلاحی ،انقلابی، خدمات میں منفرد مقام حاصل کرچکی ہے۔

جب سے اسلام نے اس دنیامیں قدم رکھاہے مسلسل دعوت وعزیمت کے میدان کے شہسوار امت میں اجتماعی وانفرادی شکل وصورت میں نمودار ہوتے رہے اور اپنی ظاہری وباطنی اور جسمانی وروحانی محنت وقوت سے شجر اسلام کی آبیاری وحفاظت کی ذمہ داری پوری کرتے رہے۔

چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات نے سادھو اجے پال کو روحانی میدان میں شکست فاش دی اور آپ کے ذریعے ۹۰ لاکھ سے زائد افراد اسلام کی دولت سے مالا مال ہوے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذات گرامی ایک طرف فتنہ اکبری کا خاتمہ کرتی ہے تو دوسری جانب اپنی خاموش مساعی سے کاملین کی ایسی جماعت تیار کرتی ہے کہ جن کے فیوض علمی وعملی، ظاہری وباطنی سے لاکھوں افراد فیضاب ہوتے ہیں، غرض ان گنت شخصیات ہیں جن کے فیض سے ایک عالم سیراب ہوا۔

یہ پہلو نہایت توجہ کا حامل ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے پاک کلام میں بذات خود حفاظت دین کا وعدہ فرمایا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صدی پر مجدد دین کے ذریعہ تجدید دین کی اطلاع دی ہے،اس سے ضرورتا تحفیظ وتجدید کے ضمن میں تنقیص وتقصیر کا اثبات ہورہا ہے لہذا یہ فریضہ ہر زمانہ میں مصنفین نے اپنی تصنیف سے اور محقق علماء وصوفیاء نے تقصیر وتنقیص کو دور کرنے کا کام اپنے وعظ ونصائح سے انجام دیا،اور اسلام وایمان کے انوار وبرکات پر جو تحریف وغلو کا غبار چھا گیا تھا اسے زائل کیا، لیکن بسااوقات غلو پسند اپنی تقصیر کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں تو ویسے ہی کوتاہی پر تنبیہ کے نام پر بعض حضرات حدود سے تجاوز کرجاتے ہیں، حالانکہ للّٰہیت کا

مقتضی یہ ہے کوتاہی اپنی کوتاہی تسلیم کرے اور تنبیہ کرنے والا حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔

تجدید دین سے مراد دینی شعبوں میں جہاں جہاں نہج نبوی ﷺ سے انحراف واقع ہوچکا یا غلو یا بدعت کی وجہ سے بے اعتدالی پیدا ہوگئی اسے دور کرنا ہے، نہ کہ کسی جدید طریقہ کی ایجاد ،جس طرح سونے کا تزکیہ آگ پر پکا کر اسے اس کی قدیم اور اصلی حالت پر لا کر کیا جاتا ہے ایسے ہی دین کی تجدید سنت نبوی ﷺ میں داخل ہونے والے بدعات وخرافات کے میل کچیل کو دور کرکے کیا جاتا ہے، اس حدیث مین دین کی تجدید کے ذکر سے یہ بات بھی ثابت ہورہی ہے کہ من جانب اللہ (تبارک وتعالی)اس دین میں عمومی طور پر تحریف وتغیر اور ضلالت وگمراہی کو باقی نہیں رہنے دیا جاتا۔

بہرحال ہمارے اس دور انحطاط میں ان باتوں پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے کہ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور راہ مستقیم کی تحقیق وجستجو سے ہم کبھی کنارہ نہ کریں۔

واللہ الموفق وھو المستعان

ہمارے پیش نظر یہ رسالہ اسی راہ اعتدال کی رہنمائی کرنے والا ایک رہبر ہے اور تبلیغ ودعوت کے بارے میں مسلک علماء دیوبند کے معتدل نظریہ کا ترجمان ہے، اللہ تعالیٰ رفیق محترم (حفظہ اللہ تعالٰی ونفع بہ الاسلام والمسلمین) کی مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطاء فرمائے اور مزید خیر کے کاموں کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین یا رب العالمین

کچھ ان رسائل کے بارے میں؛

پیش نظر دو رسالے ایک رسالہ اصل میں ایک مستفتی کی غلط فہمی کے ازالہ میں لکھا گیا تھا، مستفتی کا انداز بیان انتہائی نامناسب اور جارحانہ تھا لیکن رفیق محترم(اللّٰھُمَّ علمہ الکتاب وفقہہ فی الدین)نے انتہائی باوقار اور مناسب انداز میں جواب مرحمت فرمایا۔

اور دوسرا رسالہ دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت جو حضرت جی مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے اسے علماء محققین کے موقف کے خلاف بدعت کے الزام سے متہم کیا جارہا تھا اور کام کرنے والے حضرات کی غلطیوں کا مورد الزام کام کو گردانا جارہا تھا، تو غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، موصوف محترم (حفظہ اللہ تعالیٰ ونفع بہ الإسلام والمسلمین) نے کتاب وسنت کی روشنی میں دونوں رسالے مرتب فرمائے ہیں، اللہ تعالی اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور مزید کارہائے خیر کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین یا رب العالمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ پر اعتراضات اور اس کے جوابات

پیش لفظ

وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہِ الْکَرِیمِ.

اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک فرزند ارجمند حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کی ایک نئی تحریک شروع فرمائی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک سارے عالم کو محیط ہوگئی۔ اور بستی نظام الدین و میوات میں لگایا گیا یہ پودا مشرق و مغرب میں پھل دینے لگا۔ شریعت کے موافق و ہم آہنگ اس تحریک کے اصول دیکھتے ہوئے اور اس کی ضرورت و منفعت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے اکابر علمائے دیوبند نے اس کو خوب سینچا اور اس تحریک کی حفاظت و اشاعت فرمائی اور اس تحریک کو اپنا کام اور جماعت کو اپنی جماعت گردانا اور اس کا خوب خوب دفاع فرمایا ہے۔

بندے کے پاس ایک رسالہ پہنچا جس میں ڈاکٹر سید محمود قادری نے بانیٔ تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند ملفوظات کے متعلق جامعہ ڈابھیل کے دار الافتاء سے استفسار فرمایا تھا پھر اس کے جواب پر کچھ اعتراض ظاہر کر کے مولانا احمد الرحمٰن صاحب قاسمی کے چند اعتراضات تنقیح کے عنوان سے نقل کیے تھے۔ مولانا موصوف کے اعتراضات عالمانہ کم عامیانہ زیادہ تھے اور اس رسالے کو واٹس اپ پر عام بھی کر دیا گیا تھا اس لیے مناسب سمجھا کہ اس کا جواب لکھ کر اس کو بھی عام کیا جائے اور لوگوں کا خلجان دور کیا جائے۔

ایک طرف تو ہمارے اوقاف؛ مساجد و مدارس پر افتاد ہے تو دوسری طرف ہماری تحریکوں پر بھی ڈاکہ زنی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت و جمعیتوں کو اور اوقاف کو اوباش لوگوں سے محفوظ فرمائے۔ اور بندے کی اس کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرما کر انمول بنائے۔

محمد یحییٰ بن عبد الحفیظ قاسمی

استفتاء

باسمہ تعالیٰ

محترمی و مکرمی حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرت مولانا الیاس صاحب (بانی جماعت تبلیغ) کے درجہ ذیل ارشادات مع حوالوں کے نقل کئے جارہے ہیں۔ براہ کرم اطلاع کریں کیا یہ ارشادات قرآن واحادیث کے مطابق ہیں؟

(۱) یہ عمل باقی عملوں میں وہ نسبت رکھتا ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو ماسوا اسے ہے۔ اس کو کرتے رہو گے توسب نیکیوں سے انتفاع کی صورت نکلے گی۔نیکیاں اس کی صحبت سے ایسے ہی فیض پائیں گی جیسے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے۔ یہ عمل حضور ﷺ کا قائم مقام ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ اپنی امت کو وہ خدمت سکھانے آئے تھے جو انبیا کی تھی۔ (ارشادات ص ۱۶)

(۲) یہ طریقہ تبلیغ کشتی نوح ہے جو اس میں سوار ہو گا محفوظ ہو جائے گا۔ (ارشادات میں ۳۷)

(۳) تبلیغ ہے بے طالبوں میں اور تعلیم ہے طالبوں کے لئے تبلیغ ہے فرض، ہر ایک مسلمان کا فرض عین ہے۔ (ارشادات ص ۸۲)

(۴) بندہ ناچیز کے نزدیک یہ تبلیغ شریعت، طریقت، حقیقت تینوں کو علی الاتم جامع ہے۔

(۱۹/اپریل ۱۹۴۲ء، سلسلہ اول مکتوب ۱۹۱۸ء)

(۵) یہ سفر غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے، اور اس لئے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے، یہ اگر چہ قتال نہیں ہے، مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے، جو بعض حیثیات سے اگر چہ قتال سے کمتر ہے لیکن بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلیٰ ہے مثلاً قتال میں شفاء غیظ اور اطفاءِ شعلۂ غضب کی صورت بھی ہے، اور یہاں اللہ کے لئے صرف کظم غیظ ہے، اور اس کے دین کے لئے لوگوں کے قدموں میں پڑکے اور ان کی منتیں خوشامدیں کر کے بس ذلیل ہونا ہے۔ (ص ۷۸،۷۹، مالون (۹۳)

(۶) میں اپنی صحت اور بقاءِ حیات کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھنا تو جائز سمجھتا ہوں لیکن اس دینی کام کے قیام و بقاء پر زندگی کے خیال کو مقدم نہیں سمجھتا۔

(ص ۸۳، ملفوظ ۱۰۰)

⑦ دین کی دعوت کا اہتمام میرے نزدیک اس وقت اتنا ضروری ہے، کہ اگر ایک شخص نماز میں مشغول ہو، اور ایک نیا آدمی آئے، اور واپس جانے لگے، اور پھر اس کے ہاتھ آنے کی توقع نہ ہوں تو میرے نزدیک نماز کو توڑ کے اس سے دینی بات کر لینی چاہیے، اور اس سے بات کر کے یا اس کو روک کے اپنی نماز پھر سے پڑھنی چاہیے۔ (ص ۱۶۸، ۱۶۹، ملفوظ (۲۰۹)

والسلام

ڈاکٹر سید محمود قادری

۲۱-۱۱-۲۰۱۸

(نوٹ: جواب کے لیے لفافہ رکھا گیا ہے)

(خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم)

الجوب (از دار الافتاء جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل)

حامد او مصلیا و مسلمًا:

شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم اپنی کتاب ''اقوال سلف'' میں تحریر فرماتے ہیں: یہ حقیقت اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ مشائخ کرام کے حالات و مقالات اور ملفوظات و معمولات بلاشبہ علم و عمل کی روح، دنیا و آخرت کے لیے بہترین حل، خلوت کدہ کے لیے مونس، غمزدہ کے لیے انیس دینی و دنیاوی مشکلات کے لیے حل، نور ایمان کو بڑھانے والے اور قلب میں قوت پیدا کرنے والے ہیں، ان بزرگان دین اور سلف صالحین کے احوال و اقوال مبتدیوں کے لیے اشتیاق و ترغیب کے باعث بنتے ہیں اور منتہیوں کے لیے دستور حیات اور سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اسلاف کرام کے آثار و نقوش کے سننے اور دیکھنے سے بسا اوقات اخلاف کے خوابیدہ جذبات بیدار ہو جاتے ہیں اور راہ پر لگ جاتے ہیں۔

حرف از زبان دوست شنیدن چہ خوش بود یا از زبان آں کہ شنید از زبان دوست

یعنی دوست کا کلام خود اس کی زبان سے سنا تو بہت ہی خوب ہوتا ہے، لیکن اگر یہ میسر نہ ہو تو جس نے اس سے سنا، اس سے سننا بھی خالی از نفع نہیں ہے۔ (اقوال سلف: ۱/ ۱۳ مط: دار المعارف)

اور بقول علی میاں ندویؒ کے: بزرگوں کے ملفوظات و مجالس میں جو زندگی و بے ساختگی پائی جاتی ہے وہ قدرتی طور پر عملی تصنیفات اور عام تحریرات میں نہیں ملتی، پھر زندگی کے مختلف حالات و مسائل میں مختلف المزاج لوگوں کو ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس کی توقع بھی لگے بندھے طریقہ پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کی جاسکتی۔ (اقوال سلف:۱/ ۳۴-۳۵،ط: دار المعارف)

جواب سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

① کسی شخص کے ملفوظات سمجھنے کے لیے اس کی شخصیت کو اور اس کی زندگی کو اس وقت معیار بنایا جا سکتا ہے جبکہ ان کی ذات گرامی قرآن وحدیث کے مطابق ہو، چنانچہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی پوری زندگی اور آپ کی بیان کردہ باتیں اور آپ کی دعوت حضور ﷺ کی دعوت سے زیادہ مشابہ تھی، بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ: میری بات کو اس وجہ سے مت مانو کہ میں کہہ رہا ہوں؛ بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بیان کردہ نصوص میں غور کر کے مانو! اور اس کام کو میری طرف منسوب مت کرو ورنہ کام کو نقصان پہنچے گا، یہ کام تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بتلایا ہوا ہے اور یہی نسبت پختہ و کامل ہے اور باقی رہنے والی ہے اور باقی نسبتیں فانی ہیں۔ (مکاتیب مولانا سعید احمد خاں صاحب:۳۴۱)

نیز حضرت فرماتے تھے: کسی کی ذات سے یا کلام سے اتنا جی لگانا کہ اس کی ذات کو جناب رسول اللہ ﷺ کا بدل اور اس کے کلام کو کلام اللہ کا بدل بنالے یہ میرے نزدیک دہریت ہے۔

مناظر اسلام مولانا منظور نعمانی صاحب آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: خود راقم سطور (مولانا منظور نعمانی) کو بھی زیادہ قریب سے اور زیادہ غور سے مولانا مرحوم کو دیکھنے کا موقع ان کی آخری علالت ہی میں ملا، اور یہ واقعہ ہے کہ ہر اگلے دن یہ محسوس ہوتا تھا کہ کل ہم نے مولانا کے متعلق جو کچھ سمجھا تھا مولانا اس سے بھی بہت بلند ہیں اور عصر حاضر کے ایک بڑے عارف بلکہ یقین ومعرفت کے ایک امام نے حضرت مولانا کی وفات سے قریبا ساڑھے چار مہینے پہلے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ یہ مولانا آج کل ہزاروں میل روزانہ کی رفتار سے جارہے ہیں، میں ان الفاظ کا مطلب کچھ نہیں سمجھ سکا، لیکن بعد میں حضرت کے احوال کے مطالعہ سے کچھ سمجھ میں آیا کہ ان کا اشارہ کس ارتقائی پرواز کی طرف تھا۔

مولانا مرحوم اپنی دعوت و تحریک کے متعلق کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ: ”یہ قرن اول کا

ہیرہ ہے مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی مبالغہ محسوس نہیں ہوتا کہ مولانا خود اس چودھوی صدی میں قرن اول کے خزانۂ عامرہ کے ایک موتی تھے۔''

مولانا مرحوم یا ان کے بعض اکابر خاندان کے کچھ ایسے احوال بھی اس کتاب (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت) میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے جن کو آج کل کی تنگ ذہنیتیں اور کوتاہ نظریں شاید بعید از عقل و قیاس سمجھیں لیکن اس قسم کے احوال و واقعات اس کتاب میں مؤلف نے درج کیے ہیں یہ عمو ماوہی ہیں جو موجب یقین واطمینان ذرائع علم سے معلوم ہوئے ہیں۔ (حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۳۸-۳۹)

② دوسری اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ ملفوظات اور ارشادات کس ماحول اور پس منظر میں صادر ہوئے ہیں اس کا جاننا بھی ضروری ہے جیسے قرآن کے لیے شان نزول اور حدیث کے لیے شان ورود کی معرفت ضروری ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب نے جب عوام کی بے طلبی اور بے حسی اور دوسری طرف مکاتب و مدارس کا سست پڑ جانا اور عوام کا علما کی عدم توقیر اور نا قدر دانی کو دیکھا تو اس کو دیکھ کر مولانا کی رگ حمیت بھڑک اٹھی اور آپ کی دور رس نگاہوں نے یہ احساس کر لیا کہ ایسے ماحول میں سب سے مقدم اور ضروری کام طلب کی تبلیغ اور بے حس بیماروں کو اپنے مسلمان ہونے کا احساس دلایا جائے یہ احساس اور طلب اگر پیدا ہو گئی تو باقی مراحل و منازل طے ہو جائیں گے یہ سوچ اور طریقہ نبوی سوچ اور طریقہ سے ہم آہنگ ہے، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت سارا عالم مستغنی اور سود و زیاں سے بے پرواہ ہوتا ہے یہ حضرات انہی میں طالب پیدا کرتے ہیں اور کام کے آدمی حاصل کر لیتے ہیں، بے طلبوں اور بے حسوں میں طلب و احساس پیدا کرنا ہی اصل تبلیغ ہے۔
(مستفاد از: حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: ۲۸۳)

نیز حضرت مولانا کے صحبت یافتہ حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب فرماتے ہیں کہ: بڑے حضرت جی کی باتیں حکیمانہ ہوتی تھیں کبھی اجمال کبھی تفصیل، جب اجمالی بات فرماتے تھے تو سنے والے سمجھنے سے قاصر ہو جاتے تھے، پھر وہی اپنی بات دریافت کرنے پر تفصیل سے سمجھاتے تھے، جیسے سوال میں مذکور یہ ملفوظ کہ: اس دعوت میں جامعیت ہے اور شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کو مشتمل ہے جس کی تفصیل بزبان مولانا سعید احمد خاں صاحب یہ ہے کہ: یہ اصطلاحات قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں، خواہ صراحتاً نہ ملتی ہوں جیسے دین کے بہت سے مسائل قرآن

وحدیث میں صراحتاً نہیں پاسکتے مگر مجتہدین اور فقہا نے استنباط کر کے دکھایا لیکن اس زمانے میں شریعت کو اصل سمجھ کر اگر ہم اس پر چلنے کی مشق کرتے رہیں گے تو طریقت اور حقیقت بھی خود بخود حاصل ہوتی چلی جائیگی اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے دودھ اور اس میں مکھن اور مکھن میں گھی تینوں چیزیں مفید اور ضروری ہیں مگر دودھ ہی میں مکھن بھی موجود ہے اور گھی بھی۔ شریعت دودھ کی طرح ہے جس میں طریقت اور حقیقت دونوں موجود ہیں۔ صالحین فرماتے ہیں کہ: طریقت دل کی صفائی کا نام ہے کہ دل میں سے بغض و حسد، حرص و طمع عجب و کبر نکال دو اور دل کو ان سے صاف کر دو تو طریقت حاصل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عظمت اور بڑائی دل میں بٹھالو تو حقیقت حاصل ہوگئی شریعت ان چیزوں کو خود بیان کرتی ہے اور ان کے بغیر قائم نہیں ہوسکتی اور دعوت انہی چیزوں کے احیا کا نام ہے۔

(مکاتیب حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مہاجر مکی ۴۱۶ مط: اریب)

③ تیسری بات جو بنیادی ہے اور سوال میں مذکور ملفوظات دیکھنے سے معلوم ہوئی وہ ہے تشبیہ، تشبیہ سے بات سمجھنا آسان اور سہل ہو جاتا ہے جب کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو اس میں مشبہ اور مشبہ بہ اور وجہِ شبہ ہوتی ہے یہ ایک علمی بحث ہے جس کے لیے اس فن کا اصول ضروری ہے۔ عام آدمی اس کو نہیں سمجھ سکتا اور تشبیہ کے لیے من کل الوجوہ یعنی تمام اوصاف میں مناسبت ضروری نہیں، بلکہ ادنیٰ سی بھی مناسب ہو تو بھی کافی ہے اس کی مثال جسے کسی نے کہا: زید کالاسد (زید شیر کی طرح ہے) دیکھیے اس مثال میں شیر سے مشابہت نفس شجاعت میں ہے۔ اب اگر کوئی آدمی شیر کی دم کی طرح زید کی دم تلاش کرنے لگے تو یہ بے وقوفی کی علامت ہوگی۔

اس تمہید کے بعد جواب ملاحظہ کریں:

(۱) حضرت کا منشا اس ملفوظ سے یہ ہے کہ مسلمانوں کو جمیع ما جاءبہ النبی یا سیکھنا یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کرنا، اگر یہ مبارک کام (تبلیغی کام) اس کے اصل اور سابقہ خطوط پر کیا جائے تو اس کام کی برکت سے دین کے دیگر شعبے وجود میں آسکتے ہیں۔

(۲) تبلیغی کام کو کشتی نوح کی طرح قرار دینے کا مطلب یہ ہیں کہ جو اس کام میں لگ گیا اس کا دین محفوظ ہوگیا، یہ مطلب نہیں ہے کہ جو اس کام میں نہ لگا اس کا دین خطرے میں ہے،

یہ الٹی سمجھ ہے۔عوام الناس کو سمجھانے کے لیے یہ ایک مثال ہے آپ کے اطمینان کے لیے ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے: ایک کویت کے رہنے والے نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں اس کام (تبلیغ) کے بہت خلاف تھا اور دل میں غیظ وغضب بھرا ہوا تھا، ایک زمانے میں میں نے مولوی عبید اللہ صاحب کو حرم میں تقریر کرتے سنا تو ان کے سامنے ہی تردید کی لیکن انھوں نے میری بات پر صبر وتحمل کیا جب بھی وہ تقریر کرتے میں کھڑا ہو کر ان کی مخالفت کرتا تو کچھ دنوں بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سمندر کی موجوں میں ڈوب رہا ہوں اور مولوی عبد اللہ اپنی جماعت کے ساتھ ایک کشتی میں سوار ہیں، رات اندھیری ہے اور ان کے ہاتھ میں ایک بیٹری ہے وہ مجھے روشنی دکھلا کر اپنی طرف بلا رہے ہیں، یہاں تک کے انھوں نے مجھے اپنی کشتی میں سوار کرلیا اور میں ڈوبنے سے بچ گیا، یہ خواب کیا تھا کہ میری ہدایت کا سامان تھا اور میرا دل بدل گیا اور میں اس کام میں لگ گیا اور ہمیشہ یہ کہا کرتا کہ: یہ کام ہمارے ایمان و اسلام کی حفاظت کے لیے کشتی نوح کی طرح ہے جو اس کام میں لگ جائے گا وہ دنیا کے بڑے بڑے فتنوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

(مکاتیب حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مہاجر مکی: ۴۳۹/۴۳۸)

(۳) تبلیغ ہے بے طلبوں میں اور تعلیم ہے طالبوں کے لیے اس کا مطلب یہ ہیں کہ جو حضرات دین سے دور ہیں ان کو فضائل بتا کر دین کی طلب پیدا کرنا اور جو حضرات دین سے وابستہ ہیں ان کو مسائل کی تعلیم دے کر ان کے اعمال کی تصحیح کی فکر کرنا۔

مذکورہ ملفوظ کے ضمن میں دوسرا جزو ہے ''تبلیغ ہے فرض'' اس کی وضاحت فتاوی محمودیہ میں کی گئی ہے، فتاوی محمودیہ سے سوال وجواب نقل کیا جارہا ہے۔

سوال: تبلیغ دین اس زمانے میں واجب ہے یا کچھ اور؟

جواب: الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً:

تبلیغ دین ہر زمانے میں فرض ہے، اس زمانے میں بھی فرض ہے، لیکن فرض علی الکفایہ ہے جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہو گی اور جس جس میں جیسی اہلیت ہو اس کے حق میں اسی قدر ذمہ داری ہو گی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صراحت قرآن کریم میں ہے، سب سے بڑا معروف ایمان ہے اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مومن اپنی حیثیت کے

موافق مکلف ہے کہ خدائے پاک کے نازل کردہ دین کو حضرت رسول مقبول ﷺ کی ہدایت کے موافق پہنچا تا رہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۲۰۳/۴، ۲۰۴ مط: ادارۂ الصدیق ڈابھیل)

④ اس ملفوظ کے مطلب کے لیے پروفیسر خلیق احمد نظامی کا وہ جملہ جو انھوں نے ''تاریخ مشائخ چشت'' میں لکھا ہے۔ کافی ہے وہ یہ کہ گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلے کے اصلاحی اصول کو اس طرح جذب نہیں کیا کہ جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے کیا تھا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: ۳/۴۹ بحوالہ راہ اعتدال: ۱۷۱، ۱۷۲) (اس کی تشریح تمہید نمبر (۲) میں گذر چکی ہے)

نیز آخری مرض میں ایک روز مولانا شاہ عطاء اللہ بخاری سے حضرت مولانا الیاس صاحب نے فرمایا تھا: "ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں، یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گئی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائے؛ بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ و خانقاہ ہو جائے۔ (مولانا محمد الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت بحوالہ راہ اعتدال: ۱۹)

⑤ اس ملفوظ میں سفر تبلیغ کو سفر جہاد کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس طرح کا سوال و جواب فتاوی محمود یہ میں منقول ہے جو لکھا جارہا ہے:

سوال: کیا تبلیغی جماعت کے ہمراہ جا کر لوگوں کو صرف نماز کی دعوت دینا جہاد ہے؟

جواب: حامد أو مصليا و مسلما:

جہاد کہتے ہے خدا کے دین کی خاطر محنت و مشقت اور جد و جہد کرنے کو، اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک صورت یہ بھی ہے جو تبلیغی جماعت کرتی ہیں اور خدا کے راستے میں جان دے دینا اور دشمنوں سے لڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے مقبول ہو جانا یہ جہاد کا بڑا درجہ ہے جو قتال سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۴/ ۳۰۲ مط: ادارۃ الصدیق ڈابھیل)

الیواقیت الغالیہ میں محدث عصر حضرت شیخ یونس صاحب جونپوری فرماتے ہیں کہ: ''جب فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد کے ماسوی پر ہوتا ہے تو پھر اس عموم میں تبلیغی اسفار کو داخل ماننے میں بظاہر کوئی استبعاد نہیں، جبکہ دونوں کی غرض اعلاء کلمۃ اللہ ہی ہے یعنی جہاد بالسان اور تبلیغی اسفار یعنی جہاد بالسان والبیان ۔۔۔۔ الخ'' (الیواقیت الغالیہ: ۱/ ۳۹ مط: مجلس دعوت الحق لسٹر، برطانیہ)

⑥ اپنی جسمانی صحت پر دین کے تقاضوں کو مقدم رکھنا یہ تو عین دین ہے دیکھو! حالت سفر میں مشقت و جسمانی تکلیف و بیماری میں رخصت کے باوجود رمضان کا روزہ رکھنا افضل

ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔وفي التاتارخانیہ: فالصوم افضل للمسافر عندنا .
(فتاوی تاتارخانیہ: ۳/۴۰۳ مط: زکریا دیوبند)

عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَجِدُ بِي قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللهِ، فَمَنْ أَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ. (صحیح مسلم: ۱/۳۵۷ مط: اشرفی بکڈپ دیوبند)

اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ خود فرماتے تھے: ”میری اس بیماری اور کمزوری کی وجہ سے علما اور اطبا کا مستقل فیصلہ ہے کہ میں بات چیت بالکل نہ کروں حتی کہ سلام و مصافحہ بھی نہ کروں، میں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی صرف اس دینی فریضہ (اصلاح و تبلیغ) کے احیا کے لیے کرتا ہوں، جس کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر میں اس کو نہ کروں تو پھر یہ فریضہ اس وقت تک زندہ نہ ہو سکے گا۔سورۂ توبہ کی اس آیت سے میں نے یہ سمجھا ہے: مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ . (سورۂ توبہ: ۱۲۰) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت دین کا کام کچھ لوگوں پر موقوف ہو تو پھر ان کو اپنی جان کی پرواہ کرنا جائز نہیں۔“ (ملفوظات مولانا الیاس صاحب: ۱۳۱)

⑦ یہ حضرت مولانا کا امت کے لیے ایثار اور درد تھا، یہی وہ درد تھا کہ جس کی وجہ سے آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے اور آہیں بھرتے اور فرماتے: ”میرے اللہ میں کیا کروں کچھ ہوتا نہیں اور کبھی دین کے اس درد اور فکر میں بستر پر کروٹے بدلتے اور بے چین ہو جاتے یہی جذبہ و ایثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود تھا۔حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا، اس وقت آپ مسجدِ نبوی میں اعتکاف میں تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ وہ شخص غمگین اور پریشان ہے، تو پوچھا: ”کیا بات ہے؟“ اس نے عرض کیا: ”اے ابنِ عباس! میں فلاں شخص کا مقروض ہوں، اور میں اس کا حق ادا کرنے سے عاجز ہوں۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”کیا میں اس سے تمہاری سفارش کر دوں؟“ اس نے کہا: ”جی ہاں، جیسے آپ مناسب سمجھیں۔“ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے جوتے پہنے اور مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ اس پر کسی نے عرض کیا: ”آپ اعتکاف میں ہیں، کیا آپ کو یاد نہیں؟“ آپؓ نے فرمایا: ”میں بھولا نہیں ہوں، لیکن میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے

مسلمان بھائی کی کسی حاجت پوری کرنے میں کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اتنا ثواب لکھتا ہے جتنا دس سال کے اعتکاف سے بہتر ہے۔"

اس کے ضمن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ایثار (یعنی اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کی ضرورت پورا کرنا) کہ دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دیا، ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جاوے، مگر پانی کا آخری قطرہ اس لیے نہ پئیں کہ دوسرا زخمی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے مقدم ہے۔ (فضائل اعمال: ۶۲۲)

نوٹ: اخیر میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کا ایک قیمتی ملفوظ نقل کیا جاتا ہے اس کو غور سے تین مرتبہ پڑھیں؛ بلکہ حرز جان بنالیں، امید ہے کہ اس کے بعد آپ کو معتدل اور اصول کے پابند تبلیغی حضرات اور اکابر تبلیغ کی کسی بات پر اشکال نہ ہوگا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عالمی تبلیغی اجتماع سہارنپور منعقدہ مورخہ ۷/جون ۱۹۷۱ء میں فرمایا تھا: "اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو (تبلیغی) کام میں گھس کر کیے جاویں، اور جو باہر بیٹھ کر اعتراض کرے وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے، اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں؛ کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے اس کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابل قبول نہیں۔" (مقدمہ کتاب: کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟ ص/۷)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "یوں تو اعتراضات سے مدرسہ والے (خانقاہ والے) بھی خالی نہیں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعتراضات سے خالی نہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی نسبت کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس طرح کی باتیں کہنا کسی طرح بھی گالی سے کم نہیں۔ (ایضا: ص/۳۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: عمومی اعتراضات سے نہ تو کوئی جماعت خالی ہے اور نہ اکابر میں سے کوئی خالی ہے۔ (دہلی کی تبلیغی جماعت: ص ۱۴۶)

کتبہ: اسماعیل گودھروی، متعلم دار الافتاء

۱۳/جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ ۳۰/جنوری ۲۰۱۹ء

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ڈابھیل کے دار الافتاء کے جوابات پر تحفظات

از سید محمود قادری

باسمہ تعالیٰ

بخدمت شریف: مولانا اسماعیل گودھروی (متعلم دار الافتاء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین۔ ڈابھیل)

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عرض یہ ہے کہ آپ نے ناچیز کے شیخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم کے ملفوظات سے جواب شروع کیا ہے۔خوب سن لیں کہ پانچ سال قبل حضرت والا نے اس ناچیز کو تبلیغی جماعت کی حقیقت سمجھانے کے لئے کتاب ''الکلام البلیغ فی احکام التبلیغ'' (مولف: حضرت علامہ مولانا محمد فاروق صاحب اتر انوی نور اللہ مرقدہ) اس تاکید کے ساتھ عنایت فرمائی تھی کہ اس کتاب کے مولف علامہ بلیاویؒ کے ہم پایہ عالم ہیں۔ جماعت تبلیغ کے رد میں جو دلائل انھوں نے پیش کئے ہیں آج تک کوئی ان کو توڑ نہیں سکا۔تقریبا دس سال پہلے حضرت والا نے اس ناچیز کو خصوصی طور پر کتاب ''شاہ راہ تبلیغ'' (مولف: حضرت مولانا قاضی عبد السلام صاحب نوشہروی، خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) تبلیغی جماعت کی حقیقت سمجھنے کے لئے عنایت فرمائی تھی !!!

ہم نے مولانا الیاسؒ کے ملفوظات کی تحقیق قرآن اور احادیث کی روشنی میں پوچھی تو آپ نے قرآن اور احادیث کے بجائے بزرگوں کے ملفوظات سے ان کی تائید کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے !!! معیار حق کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ ہیں نہ کہ فلاں اور فلاں کے اقوال !!!

اللہ توفیق دے تو کھلے ذہن سے غیر جانب دارانہ طور پر الکلام البلیغ فی احکام التبلیغ اور شاہ راہ تبلیغ کا مطالعہ کریں، ان شاء اللہ تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت آپ کے سمجھ میں آئے گی۔

علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا تھا۔

ہوئے کس قدر بے توفیق فقیہان حرم بناتے ہیں تا ویلِ مسائل کو بہانہ

آپ کے فتوی کے تعلق سے ارباب علم کیا فرماتے ہیں ذرا جگر تھام کر مطالعہ کریں۔ وباللہ التوفیق۔

والسلام

ڈاکٹر سید محمود قادری (خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب اللہ آبادی دامت برکاتہم)

تنقیح برفتوی مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات ۲۳/۵/۱۴۴۰ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱) تمہید نمبر ۱ میں لکھا ہے کہ :یہ کام تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بتلایا ہوا ہے۔

اب یہ بھی واضح کیا جائے کہ یہ کام سے کیا مراد ہے، جماعتی احباب کے یہاں تو اس کی مراد متعین ہے، اور وہ ”مروجہ تبلیغ“ ہے، لیکن پھر بھی آنجناب سے اس کی وضاحت مطلوب ہے کہ ”کام“ سے مراد کیا ہے؟ ”نفس دعوت و تبلیغ“ یا ”مروجہ دعوت و تبلیغ“؟ اگر مروجہ دعوت و تبلیغ مراد ہے، تو یہ کام اللہ و رسول کا بتلایا ہوا کیسے ہوا؟

(۲) سوال نمبر ۲ میں جو جملہ قابل اعتراض ہے اس کا جواب نہیں دیا گیا، وہ جملہ یہ ہے۔ یہ عمل باقی عملوں میں وہ نسبت رکھتا ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو ماسوا سے ہے۔ --- الی ان قال --- یہ عمل حضور ﷺ کا قائم مقام ہے۔ یہ عمل سے مراد نفس دعوت و تبلیغ ہے یا مروجہ دعوت و تبلیغ ؟

اس عبارت کے ذریعہ اس کام کو حضور ﷺ کے برابر اور قائم مقام ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے اعلی و افضل حضور ﷺ ہیں، لہٰذا یہ کام اللہ و رسول کے بعد سب سے اعلی و افضل ہے، کیا مروجہ تبلیغ کا شریعت میں یہی مقام ہے جو اس عبارت میں بیان کیا گیا ہے؟ یا غلو سے کام لیا گیا ہے؟

(۳) جواب نمبر ۲ میں لکھا گیا ہے کہ جو اس کام میں لگ گیا، اس کا دین محفوظ ہو گیا اس کام سے کیا مراد ہے؟ یہاں قیل و قال کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ اس عبارت میں مصرح ہے کہ یہ طریقہ تبلیغ یعنی مروجہ تبلیغ، اب سوال یہ ہے کہ کیا مروجہ تبلیغ کا نظام و نصاب اس کے اصول و قواعد، اس کی تعلیمات و تشریحات اور اس کا تفقہ ایسا ہے کہ اس میں لگنے سے لگنے والے کا دین و ایمان محفوظ ہو جائیگا؟

یقیناً جواب نفی میں ہوگا، کشتی نوح کی تعبیر اختیار کر کے یہ باور کرایا گیا کہ جیسے کشتی نوح میں سوار ہونے والے طوفان نوح اور ہلاکت سے بچ گئے، ایسے ہی اس کام میں لگنے والے ہر قسم کے فتنہ و فساد اور ضلالت و گمراہی کے طوفان سے بچ جائیں گے، حالانکہ یہ بات سبز باغ دکھانے اور دعوی کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی، یہ بات اس قدر تکرار کے ساتھ کہی گئی

کہ لوگوں نے یہ یقین کرلیا کہ یہی طریقہ تبلیغ کشتی نوح ہے جو اسمیں سوار ہوگا، وہی محفوظ ہوگا اور جو اس میں سوار نہ ہوگا، وہ ہلاک و برباد اور گمراہ ہو جائیگا، پھر یہ جملے صراحت کے ساتھ دہرائے جانے لگے، اس جملے کے پس منظر میں اچھے اچھوں کو جماعت کے احباب نے ریمانڈ پر لے لیا، جو لوگ اس عبارت کے ماخذ سے بے خبر ہوتے ہیں، وہ عوام کا غلو کہہ کر پلا جھاڑ لیتے ہیں، مروجہ تبلیغ ممکن ہے کہ کشتی نوح ہو لیکن کشتیٔ محمد ﷺ نہیں ہے، آپکی نبوت کے اعلان کے بعد کشتی نوح سے نجات نہ ملے گی بلکہ کشتی محمد ﷺ میں سوار ہونا پڑیگا، اور کشتیٔ محمد ﷺ پورا دین اسلام ہے، نہ کہ مروجہ تبلیغ، کویت والے شخص کا خواب اس کے لئے تو اطمینان کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن حجت شرعیہ نہیں ہوسکتا، اسے آپ نے مولانا سعید احمد خان صاحب کی مکاتیب کے حوالے سے لکھا ہے، مولانا موصوف کے مکاتیب و بیانات میں سنت و شریعت کے خلاف بہت کچھ ہے، ضرورت پڑی تو وہ بھی گوش گذار کیا جائیگا، کاش کہ حوالے میں انکی باتیں پیش نہ کی گئی ہوتیں، مروجہ تبلیغ کی ایجاد خواب سے ہوئی ہے، اس کے دلائل اور اس کی مثالیں بھی سب خوابی اور منامی ہیں، مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا۔ (ملفوظات مولانا الیاس، ملفوظ ۵۰ ص:۵۱)

جواب نمبر (۳) سوال نمبر ۳ کی عبارت میں جو بات محل نظر ہے، اس کا جواب نہیں لکھا گیا، وہ یہ ہے "تبلیغ ہر ایک مسلمان کا فرض عین ہے۔" تبلیغ فرض عین کیسے ہوئی، مولانا کے کلام میں اکثر و بیشتر تبلیغ سے مراد مروجہ تبلیغ ہوتی ہے، اگر اس عبارت میں بھی مروجہ تبلیغ مراد ہو تو سوال بدرجہ اعلی جواب کا طالب ہوگا۔

جواب نمبر (۴) سوال کی عبارت پر غور فرمائیں، لفظ "یہ" کے ذریعہ خاص قسم کی تبلیغ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور وہ مروجہ تبلیغ ہے اور لفظ علی الاتم پر غور فرمائیں کہ کس تاکید کے ساتھ کہا گیا ہے، کیا مروجہ تبلیغ کے نظام و نصاب میں یہ اہلیت ہے کہ اس کو بروئے کار لانے والا شریعت، حقیقت اور طریقت سے علی الاتم مزین اور آراستہ ہو جائیگا، اور مجسم مدرسہ و خانقاہ بن جائیگا باوجودیکہ اس نے عالم دین اور مدرسے کا منہ نہ دیکھا ہو، اہل تقوی اور خانقاہ کی دہلیز پر دستک نہ دی ہو، یہ خالی خولی دعوی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے بتایا جائے کہ نوے سال کے طویل عرصے میں کتنے چلتے پھرتے اور مجسم مدرسے اور خانقاہیں بنیں؟ ہاں اس کے برعکس ضرور ہوا کہ یہ لوگ مدرسوں اور خانقاہوں کے دشمن بن گئے۔

اسی طرح کا ایک دعوی دوسری جگہ مذکور ہے، ملاحظہ ہو منشی نصر اللہ صاحب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ مجدد وقت ہیں، فرمایا تم سے کون کہتا ہے؟ میں نے کہا لوگوں میں چرچا ہے، فرمایا نہیں، میری جماعت مجدد ہے، (مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ۱۶۵) مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت کی بایں الفاظ تاویل کی ہے یعنی اس دور کے علماء وصالحین کی وہ جماعت جس سے مولانا کا تعلق تھا گرچہ یہ تاویل ''تاویل القول بمالا یرضی بہ القائل'' کی قبیل سے ہے، لیکن اس تاویل سے اتنا ضرور واضح ہوگیا کہ مروجہ تبلیغی جماعت مجدد نہیں ہے، اور یہ بھی بالکل واضح ہے کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بھی مجدد نہیں تھے اس لئے کہ مجدد کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی، لغۃً مجدد کہہ دیا جائے، یہ الگ بات ہے۔

جواب نمبر (۵) سوال نمبر ۵ کی عبارت میں جو بات قابل اعتراض ہے، اس کا جواب نہیں لکھا گیا، وہ یہ ہے اس کام پر مثل قتال کے ثواب کی امید ہے اور بعض حیثیات سے یہ کام قتال سے بھی اعلی ہے قتال کا حکم اللہ و رسول نے دیا ہے اور مروجہ تبلیغ کو مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیب دیا ہے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مولانا کا ترتیب دیا ہوا کام اللہ و رسول کے منصوص حکم سے بعض حیثیات سے اعلی و افضل ہوجائے، اور مروجہ تبلیغ پر قتال کے ثواب کی امید کی جائے؟ اتنی بھاری بات کہنے کی جرات کیسے ہوئی؟

قتال کے برابر اور اس کا بدل ہی نہیں بلکہ بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلی کہا گیا ہے، اور قتال کی نصوص کو مروجہ تبلیغ پر چسپاں کیا گیا ہے، اس کی اصطلاحات میں اپنا معنی داخل کیا گیا ہے، یہی کام فرق باطلہ کا بانی انجام دے، تو مجرم قرار پائے اور گھر کا بندہ انجام دے، تو مجدد قرار قرار پائے، مزید براں قتال میں شفاء غیظ اور اطفاء شعلہ جو اللہ رب العزت کی جانب سے انعام ہے، اسے باندازِ مذمت لکھا گیا اور اس کے تقابل میں کظم غیظ اور قدموں میں پڑ کے ذلیل ہونے کی تعریف کی گئی، اور اسی کو دلیل بناکر مروجہ تبلیغ کو بعض حیثیات سے قتال سے افضل قرار دیا گیا، یہ کام کوئی رضاخانی یا غیر مقلد کرے، تو بھی برداشت کیا جائیگا یا نہیں؟

حضرت شیخ یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو نظر انداز نہ کیا جائے کہ جو فضائل خاص طور پر جان فروشی اور سر کٹانے کے بارے میں وارد ہیں، اس میں ان اسفار کو داخل ماننا اشکال سے خالی نہیں۔ (نوادر الفقہ ص ۱۳۶)

مطلب کی بات لے لی جاتی ہے ، باقی حصے کو چھوڑ دیا جاتا ہے ، قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں جن مقامات پر فی سبیل اللہ قتال کے معنی میں آیا ہے ،اسمیں قتال اور متعلقات قتال کے علاوہ کوئی بھی امر خیر شامل نہیں ہوسکتا ''فی سبیل اللہ'' کا معنی ہر امر خیر نہیں ہے ، بلکہ کبھی کبھی لغوی معنی کے اعتبار سے ہر امر خیر پر بول دیا جاتا ہے ، چنانچہ شیخ یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الفقہ میں ص ۱۳۵ پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارت نقل کی ہے ،اسمیں لفظ ''قد'' ہے ،اور یوں لکھا ہے ''قد یطلق ''یعنی کبھی کبھی بول دیا جاتا ہے ، نیز مروجہ تبلیغ ، دین اور امر خیر نہیں ہے بلکہ اس کا ذریعہ ہے ،اس لئے مروجہ تبلیغ ہر گز ہر گز فی سبیل اللہ نہیں ہے ،اصطلاحی معنی کے لحاظ سے اور نہ ہی لغوی معنی کے لحاظ سے۔مروجہ تبلیغ کو جماعت کے بجائے ''فی سبیل اللہ'' اور اللہ کا راستہ کہہ کر قتال کے فضائل میں گھس پیٹھی کی گئی ہے ، اور یہ نہایت قبیح حرکت ہے ، لیکن شخصیت پرستی اور اندھی محبت کی وجہ سے بعضوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ،علمی خطاء مان کر انہیں معذور اور معفوعنہ سمجھا جاسکتا ہے ، اور یہ خیال کہ مروجہ تبلیغ سے بھی اعلاء کلمۃ اللہ حاصل ہوتا ہے ، یہ عادتاً ناممکن سی بات ہے ،اس لئے کہ ''اعلائے کلمۃ اللہ'' درخواست دیگر مروجہ تبلیغ کرنے کا نام نہیں ہے ، بلکہ اعلائے کلمۃ اللہ قہراً احکام خداوندی کو نافذ کرنے کا نام ہے ،

جواب نمبر (۶) سوال نمبر ۶ میں جو بات قابل اعتراض ہے ،اس کا جواب نہیں دیا گیا ، وہ یہ ہے ،اس دینی کام یعنی مروجہ تبلیغ کو نماز پر ترجیح دی گئی ہے ، وہ اس طرح کہ صحت اور بقاء حیات کے لئے نماز تو کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ کر پڑھ لی جائے ، لیکن مروجہ تبلیغ کو نماز سے زیادہ اہم اور ضروری سمجھ کر اس کے لئے نماز توڑنے کو گوارا کیا جائے ، از روئے سنت و شریعت کیا اس کی اجازت ہے ؟

جواب نمبر (۷) سوال نمبر ۷ کی عبارت میں جو بات محل نظر ہے ، اس کا جواب نہیں لکھا گیا ، وہ یہ ہے ، کیا ایسے شخص کے لئے جس کے دوبارہ ہاتھ آنے کی امید نہ ہو ، مروجہ تبلیغ کا اہتمام کرتے ہوئے نماز توڑنا درست ہے ؟ اس عبارت سے نماز پر مروجہ تبلیغ کی ترجیح لازم آتی ہے ، اس لئے اس کا جواب لکھا جائے۔

(نوٹ) نوٹ میں لکھا گیا ہے کہ اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو تبلیغی کام میں گھس کر کئے جاویں ، اور جو باہر بیٹھ کر اعتراض کرے ، وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے کیا یہ اصول قاعدہ کلیہ اور مسلمات میں سے ہے ؟

کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ منکر و معاصی میں شامل ہوکر اس پر اعتراض کیا جائے، اور اس کی اصلاح کی کی کوشش کی جائے؟ اگر نہیں تو اس کا مشورہ کیوں دیا جارہا ہے؟

ہم لوگ فرق ضالہ پر جو اعتراضات کرتے ہیں، اگر وہ لوگ بھی اسی قاعدہ کے مطابق ہم سے مطالبہ کریں اور کہیں کہ کہ ہمارے کام میں گھس کر یعنی شامل ہوکر اعتراض کرو، تو کیا اسے قبول کیا جائیگا؟

نوٹ میں دوسری عبارت یہ لکھی گئی ہے کہ یوں تو اعتراضات سے مدرسہ خانقاہ والے بھی خالی نہیں، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ بھی اعتراضات سے خالی نہیں الخ

عمومی اعتراضات سے نہ تو کوئی جماعت خالی ہے اور نہ اکابر میں سے کوئی خالی ہے۔

یہ جواب بناء فاسد علی الفاسد کی قبیل سے ہے، اس جواب میں اعتراض واقعی اور اعتراض فرضی دونوں کو ایک درجے میں کر دیا گیا ہے، اعتراض واقعی سے چشم پوشی کی بنا پر ایسا جواب دیا گیا ہے، یہ حضرات مروجہ تبلیغ کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے تو ایسے جوابات سے رجوع فرمالیتے، جو اعتراضات واقعی ہوں، انہیں قبول کر کے اپنی اصلاح کرنی چاہئے، اصلاحات کو قبول نہ کرنے کا یہ انجام ہے جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، ایسے علماء کرام نے بھی مروجہ تبلیغ پر اعتراض کیا ہے جنہوں نے گھس کر اس کو دیکھا اور سمجھا، اس کے لئے دیکھئے، قاضی عبد السلام صاحب نوشہرہ رحمہ اللہ کی شاہراہ تبلیغ، مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی کی اصول دعوت و تبلیغ اور مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی رحمہ اللہ کی ''دعوت کے لئے ایک اصول'' اور ''کاروان زندگی''۔

(ج ۴ ص ۳۱۴، ۳۱۵)

تنبیہ: کیا وجہ ہوئی کہ اس فتوی کو مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی توثیق اور دستخط کے بغیر جاری کر دیا گیا۔

اگر مجیب کے ذہن کو سوالات تک رسائی نہیں ہو رہی تھی، تو جواب لکھنے سے معذرت کیوں نہ کی گئی؟

واللہ اعلم بالصواب

از مجلس اصلاح امت

برائے رابطہ از احمد الرحمن قاسمی

واٹس ایپ نمبر ۳۰۹۸۵۹۶۳۴۹۶۶

تبصرہ بر فتوی مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل

از مولوی شیخ مقبول احمد الحنفی

کسی بھی فتوی کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ استفتا کے ذریعہ سائل کیا معلوم کرنا چاہتا ہے اور مجیب کی جانب سے کیا جواب موصول ہو رہا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سوال کس سے کیا جارہا ہے اور جواب کون دے رہا ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ سائل کے سوال پر مجیب کا جواب ادلۂ شرعیہ کی کسوٹی پر اتر رہا ہے یا نہیں؟

(۱) یہاں سوال یہ ہے کہ بانیٔ جماعت کے اقوال اور ملفوظات پر شریعت کا حکم کیا ہے؟ سائل نے اپنے استفتا کو بانیٔ جماعت کے ہی ملفوظات و ارشادات کے حوالے سے مدلل کیا ہے۔

جبکہ مجیب نے ان ارشادات و ملفوظات پر حکم شرعی واضح کرنے کی بجائے پورے فتوے کو جماعتی نقطہ نظر اور بانی جماعت کی ثنا خوانی میں تقسیم کر کے بجائے جواب استفتا کے اپنی ذہنی کجروی اور مغلوب الکیفیت کو ظاہر کر دیا ہے۔

(۲) سائل نے حکم شرعی معلوم کیا اور مجیب نے مداہن شریعت اور کتمان علم کا کام کیا۔ فتوے کی بجائے جماعت کی بیجا حمایت تحریف و تاویل اور شخصیت پرستی منبع و مجموعہ ہے۔

سائل حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں اور مجیب بیجا تاویل و تشریح کے ساتھ منگھڑت فضائل بیان کر رہا ہے عجیب بات ہے کہ آج ہمارے دار الافتاؤں کو یہ کیسی شخصیت پرستی کی بیماری لاحق ہو چکی ہے کیا یہی سوال بریلوی یا غیر مقلد یا کسی دوسرے مسلک کے قائدین سے متعلق کیا جاتا تو کیا مجیب کی یہی تاویل و تشریح اور بیجا حمایت ہوتی؟ آخر یہ دار الافتا کے لوگ شریعت کو مقدم رکھنے کی بجائے شخصیت پرستی کو کیوں تقویت پہنچا رہے ہیں؟ ہم اسی بات سے ہی یہ اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں کہ ہمارے اکثر دار الافتاؤں میں بیمار ذہنیت کے مفتی نما مفت خور بیٹھے ہوئے ہیں اور اس جواب سے یہ بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ اس قسم کے استفتا پر کسی طالب علم کے نام سے جواب شائع کیا جاتا ہے تاکہ اگر کسی وجہ سے جواب کو نکار دیا جائے یا مطعون کیا جائے تو ہمارا دامن محفوظ رہ سکے اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی وجہ سے ہمارے دار الافتائیں اپنا اثر و رسوخ اور اہمیت کھو رہے ہیں کیا اس طرح اتنے اہم منصب پر کسی غیر ذمہ دار کو بٹھانا مناسب ہے؟ لہٰذا یہ تعلیم الدین ڈھابیل کا دار الافتا بھی مداہن شریعت میں دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔

حافظ و مولوی شیخ مقبول احمد الحنفی (موبائل: ۹۵۱۱۷۷۰۵۳۰،۹۸۲۳۸۳۱۳۳۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

جواب آں عزل از بندۂ ناتواں محمد یحییٰ قاسمی

فاضل جامعہ ڈابھیل

آپ نے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی جماعت تبلیغ) کے چند ارشادات کے بارے میں استفسار کیا ہے، اس میں آپ نے بانیٔ جماعت تبلیغ کا نام مع الاحترام لیا ہے ساتھ دعائے ترحم کا رمز بھی لکھا ہے اور اقوال کو لفظ ''ارشادات'' کا اعزاز بخشا ہے۔

امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ان کی ذات کو کو لائق تعظیم اور ارشادات کو لائق اہتداء و باعث ہدایت سمجھتے ہوں گے، سوائے چند ارشادات کے، جس کے آپ طالب فہمائش ہیں۔ جوابات میں بھی اسی امید کا لحاظ کیا گیا ہے۔

تفہیم میں تسہیل کے لیے، جوابات لف و نشر غیر مرتب طرز پر دیے جارہے ہیں:

(۲) یہ طریقہ تبلیغ کشتی نوح ہے جو اس میں سوار ہو گا محفوظ ہو جائے گا۔ (ارشادات میں ۳۷)

آپ نے اس جواب کی تنقیح یا یوں کہہ لیجیے تردید میں نفس جماعت تبلیغ پر ہی سوالیہ نشان لگایا ہے۔ اگرچہ کوئی واضح حکم نہیں لگایا اور نہ کوئی دلیل ذکر کی ہے (کہ جس کا جواب دیا جائے) اس پر پہلے بندے کے چند حرف شیریں ملاحظہ فرمائیں؛

مروجہ تبلیغی کام:

اول: مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِندَ اللّٰهِ حَسَنٌ. (اخرجہ احمد)

مشہور و مسلم قاعدہ ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفا ثابت ہے، ہمارے زمانے میں ''الف لام'' والے المسلمون کا مصداق علمائے دیوبند جیسے کامل مسلم نہیں ہوں گے تو اور کون ہوں گے؟ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم میں رسوخ، طبیعت میں سلامتی، مزاج میں اعتدال، اقوال میں صلابت، رائے میں اصابت، افعال میں مطلوب اتباع کے ساتھ ساتھ روحانی پاکیزگی بھی عطا فرمائی ہے۔ اُسی چشمۂ فیض سے وہ سیراب ہیں جو چودا سو سال سے ایک سیدھ میں بہہ رہا ہے۔ ان کے مزاج میں نہ کجی ہے نہ طبیعت میں جلد بازی، شرعی حکم لگانے میں عصبیت سے

پاک، نہ کسی غلبہ حال سے وہ مغلوب ہیں کہ رائے صواب اور عمل سدید نہ ہو۔

کسی بھی زمانے کے کامل مسلمانوں کا کسی جماعت کو راہ حق پر جاننا یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ کچھ فرق ضالہ کا وجود ہم سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ تمام یا اکثر علمائے حق مسلمین کاملین نے ان کو فرقۂ حق مانا ہو۔ پھر بعد میں جاکر ان کی رائے بدلی ہو۔ بعض مہدویت بعض غیر مقلدیت سے تبلیغی جماعت کو جوڑتے ہیں کہ یہ فرقہ بھی پہلے ایسا ہی (تبلیغ والوں کی طرح) تھا!! تعجب کی بات ہے۔

اہل حق کا ہمیشہ سے اس جماعت کو سپورٹ رہا ہے، مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جو فرق ضالہ کے لیے سونتی ہوئی تلوار تھے ان دونوں کے تائیدی مضامین پڑھے جاسکتے ہیں۔ شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ اور مفتیٔ اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی تائید حاصل رہی۔

دوم: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ.(القرآن)۔۔اور۔۔لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورِينَ. (حدیثِ مقصور)

کسی تحریک کے اہل حق ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کے ساتھ نصرت خداوندی شامل حال ہوتی ہے۔ اس تحریک کی نصرت کے واقعات اکا دکا نہیں شاید تواتر مشترک کو پہنچ گئے ہوں۔ اور اس کام کی ہمہ گیریت اور نافعیت بھی نصرتِ خداوندی کی ایک علامت ہے۔

سوم: تیسری علامت (دلیل) یہ ہے کہ وہ تحریک شروع ہوتی ہے پھر غالب ہوتی چلی جاتی ہے، لوگوں کے دلوں میں اترتی ہے اور پیوست ہوتی چلی جاتی ہے، میں نے نہیں دیکھا کہ اس تحریک سے جتنے بریلوی، شیعہ، اہل حدیث راست راستے پر آئے ہیں کسی اور نئی تحریک سے آئے ہوں۔ وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ.(بخاری، حدیث ہرقل)

چہارم: لَا يَزَالُ اللّٰهُ يَغْرِسُ فِي هَذَا الدِّينِ غَرْسًا يَسْتَعْمِلُهُمْ فِي طَاعَتِهِ.

اللہ تعالیٰ اس جماعت سے دین کی آبیاری کا کام لیتا ہے یہ کسی تحریک کے حق ہونے کی چوتھی دلیل و علامت ہے، اگر ہم امت مسلمہ کی تحریکوں کا مشاہدہ کریں گے تو ان میں یہ صفت واضح طور پر نظر آئے گی کہ اللہ تعالیٰ اس تحریک سے دین کی آبیاری فرماتے ہیں، اس کو اپنے

دین کی اشاعت کے لیے استعمال فرماتے ہیں۔

مفتی محمود صاحب بارڈولی دامت برکاتہم ڈابھیل کے شعبہ تحفظ شریعت کے ذمہ دار ہیں وہ فرماتے تھے پہلے واپی سے چھاپی تک صرف تین مدرسہ تھے (ڈابھیل، لوناولہ اور راندیر) اب مدارس ہی مدارس ہیں۔ ۱۲

کتنے لوگ ایسے ہیں جو تبلیغ کی وجہ سے عالم دین بنے اور علم کی خوش گوار فضا اور ان کے گھرانے کا حصہ بنی۔

پنجم: تحریک حق کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ جماعت و تحریک اللہ کے امر اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو قائم کرنے والی ہوتی ہے۔ (حوالہ بالا بروایۃ اخری) اس جماعت سے وابستہ حضرات کو سنت نبی کی پیروی میں دیوانہ ہم دیکھ چکے ہیں، حضرت مولانا الیاس صاحب ہو یا بعد کے کوئی اور سنت ان کی زندگی کا نمایاں پہلو ہوتا ہے۔ اور سنت ہی کی وہ تعلیم و ترویج کرتے ہیں۔ جماعت میں نکلنے والے ہر مبتدی کو سب سے پہلے یہی سکھایا جاتا ہے کہ ہمارے نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا ہر عمل حکم الٰہی اور طریقۂ نبی کے موافق ہوجائے۔

ششم: امت کی کی ایک بڑی جماعت اس سے وابستہ اور متعلق ہوتی ہے، (اگرچہ کوئی بڑی جماعت غلط عقیدہ کو لے کر علحدہ ہو جائے تو اس میں قرآن و سنت کو دیکھا جاتا ہے تعداد جماعت کو نہیں، لیکن ہمارے علماء دیوبند کو ابھی تک اس میں ایسی باتیں نظر نہیں آئیں کہ اس کو جماعت علحدہ میں شمار کیا جائے۔) آپ نے بھی دیکھا ہوگا دین کی خاطر لوگ کثرت سے اپنے جان مال کے ساتھ تبلیغی اسفار اور اجتماعات کے اندر شرکت کرتے ہیں۔

وَشَأْنُ السَّوَادِ الأَعْظَمِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَنَّهُمْ قَائِمُونَ عَلَى الْحَقِّ مَحْفُوظُونَ بِحِفْظِ اللهِ، وَلَا يُكَفِّرُونَ بَعْضُهُمْ، وَأَنَّهُمْ قَدِ اتَّفَقُوا عَلَى مُعْتَقَدٍ وَاحِدٍ؛ وقال العلامة ابن السبكي في "شرح عقيدة ابن الحاجب": [اعلم أن أهل السنة والجماعة كلهم قد اتفقوا على معتقد واحد فيما يجب ويجوز ويستحيل، وإن اختلفوا في الطرق والمبادئ الموصلة لذلك، أو في لِمِّية ما هنالك].

ترجمہ: مسلمانوں کے سواد اعظم کا حال یہ ہے کہ وہ حق پر قائم ہیں، اللہ کی حفاظت سے

محفوظ ہیں، ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے، اور سب ایک ہی عقیدہ پر متفق ہیں۔ علامہ ابن السبکی نے ''شرح عقیدۃ ابن الحاجب'' میں فرمایا: ''جان لو کہ اہلِ سنت والجماعت سب کے سب ایک ہی عقیدہ پر متفق ہیں — اس بارے میں کہ کیا چیز واجب ہے، کیا ممکن ہے، اور کیا محال ہے — اگرچہ وہ اس عقیدہ تک پہنچنے کے طریقوں اور دلائل میں یا بعض امور کی حقیقت و علت میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔''

ہر جماعت میں وقت کے ساتھ ساتھ بگاڑ پیدا ہوتا ہے ہر کمال را زوال است، سورج جب استواء کی بلندی پر ہوتا ہے تو زوال شروع ہوجاتا ہے، کیا دیوبندیت میں بھی بگاڑ پیدا ہونا شروع نہیں ہوا؟

یہ سب دلیل خطابی ہیں یہ ہمیں غلبہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں کہ تبلیغی جماعت گمراہ فرقہ نہیں ہے ۔ بہرحال ان دلائل سے ہمارے علمائے دیوبند کو تو اطمینان ہے کہ جماعت تبلیغ برحق جماعت ہے اور اول دن سے ان حضرات کی سرپرستی رہی ہے۔

آمدم برسر مطلب: اب جب کسی برحق تحریک کے بارے میں بانیٔ تحریک یہ کہیں ''طریقہ تبلیغ کشتیٔ نوح ہے جو اس میں سوار ہوگا محفوظ ہو جائے گا'' تو یہ کیوں کر غلط ہے؟ آپ نے صرف ارشاد نقل کر دیا اور ارشاد پر آپ کا کیا ارشاد ہے یعنی کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں وہ قلم انداز کر دیا لیکن ہمیں احمد الرحمان صاحب کے کلام سے آپ کا مدعی بھی معلوم ہوتا ہے۔

عرض یہ ہے کہ ہم نے کئی بڑے بڑے علماء کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ''مدارس دین کے قلعے ہیں''۔ ''اخلاق رذیلہ کا ازالہ کسی بزرگ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے بغیر نہیں ہوسکتا'' اور ''مکاتب کو قائم کیے بغیر نسلوں کا ایمان محفوظ نہیں رہ سکتا'' ظاہر ہے کہ اس کلام میں تشبیہ و استعارے ہیں، حصر و مبالغہ ہے، لیکن ان سب کلام میں (بشمول متنازع فیہ کلام) کہیں تشبیہ کلی یا حصر حقیقی مراد نہیں ہے، نہ ہی ان کلام کے متکلم لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں، بلکہ تشبیہ من وجہ اور حصر ادعائی مراد ہوتا ہے جیسے نبی کریم ﷺ کے اس کلام میں مراد لیا گیا ہے ''لَا رِبَا إِلَّا فِي النَّسِيئَةِ'' (نسائی) اور ''إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا''۔ (ابن ماجہ)

ایک عالم دین بلکہ عام آدمی بھی کس طرح دین کے ایک ہی شعبہ کو واجب اور دیگر شعبوں کو نکار سکتا ہے، ایک مرتبہ میری ایک عالم سے بحث ہو رہی تھی وہ کہہ رہے تھے کہ تبلیغی احباب

اس کام کو فرض سمجھتے ہیں، میں دار الافتاء سے اٹھ کر مسجد میں گیا وہاں دو عامی سے ملا، جن میں سے ایک جنون کی حد تک تبلیغ سے جڑا ہوا ہے، دوسرا تبلیغ سے منسلک ہے اور متشرع ہے۔

ان کے پاس جاکر میں نے پوچھا کہ بھائی آپ لوگ تبلیغ جو کرتے ہیں اسے کیا سمجھتے ہیں؟

میں نے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا فرض سمجھتے ہو یا واجب یا سنت تو انھوں نے کہا کہ فرض تو نہیں ہے ہاں حق ہے اتنی بات ہے۔ میں نے دوسرے سے پوچھا تو اس نے بھی یہی کہا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر میں میرے بھائی کو جو دینی تعلیم کچھ بھی حاصل نہیں کر پائے ہیں، لیکن تبلیغ کے دیوانے ہیں ان سے کہا تھا کہ ''یہ تبلیغ والے تبلیغ کو فرض کہتے ہیں'' (بہت غلط کرتے ہیں) تو انھوں نے بہت سختی سے تردید کی تھی کہ کوئی بھی فرض نہیں کہتا ہے۔ اور نہ مروجہ تبلیغ کو چھوڑنے والا تارکِ فرض سمجھا جاتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کہ ذہن میں یہی ہے کہ تبلیغی کام فرض نہیں ہے جو کام چودہ سو سال بعد آیا وہ فرض کیسے ہوسکتا ہے البتہ کچھ ہوں گے جو بتاویل یا بلا تاویل فرض کہتے ہیں لیکن ان کے فرض کہنے کی وجہ سے علی الاطلاق پوری جماعت پر حکم لگانا درست نہیں۔

بہر حال اس مسؤولہ ارشاد میں یہ کہیں نہیں نکلتا کہ جو جماعت تبلیغ میں نہیں لگے گا اس کا دین غیر محفوظ رہے گا، ہاں جو لگ گیا امید کی جاسکتی ہے کہ اگر وہ منافی چیزوں سے دور رہے گا تو اس کا ایمان محفوظ ہوگا، جیسے کوئی حکیم اپنی دوا کے بارے میں کہے کہ یہ دوا لوگے تو تپ دق سے محفوظ رہوگے یعنی امید کرتا ہے کہ اگر تم منافیٔ صحت دوسری چیزوں سے بچو گے تو صحت محفوظ رہے گی۔ اسی امید پر حکم لگایا جاتا ہے۔

پھر نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا وہ بہت سے محققین کے نزدیک عالمی نہیں تھا (دیکھیے ہدایت القرآن) بلکہ صرف اس علاقہ میں تھا جہاں قوم نوح آباد تھی اگرچہ بعد میں نسل صرف اولاد نوح ہی کی چلی۔ اس حساب سے آپ حضرات کے اعتراضات کا طومار ڈھیر ہوجاتا ہے۔ علی کل حال کشتی نوح سے تشبیہ یا محفوظ ہو جانے کا حکم لگانے میں حصر، تشبیہ من بعض الوجوہ اور حصر ادعائی ہے۔

متکلم کے دوسرے کلام سے بھی اس کی مراد واضح ہوتی ہے، (یہ قاعدہ مسلم ہے) متکلم نے اپنے بہت سے کلام میں مدارس وغیرہ کو بسا غنیمت اور ضروری سمجھا ہے اور اپنی تحریک کو مفید

ناکافی سمجھا ہے۔ کہ یہ صرف طلب پیدا کرنے کے لیے ہے۔

(۳) تبلیغ ہے بے طلبوں میں اور تعلیم ہے طالبوں کے لئے تبلیغ ہے فرض، ہر ایک مسلمان کا فرض عین ہے۔ (ارشادات میں ۸۲)

حدیث شریف میں ہے: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ : شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ ." (بخاری)

اس حدیث شریف میں بھی تشبیہ ہے، نبی کریم ﷺ کا یہ کمال تھا کہ آپ معنوی چیزوں کو حسی مثالوں اور تشبیہوں سے بڑی آسانی سے سمجھادیا کرتے تھے، اس حدیث شریف میں اسلام کو ایک خیمہ سے تشبیہ دی ہے، جس طرح خیمہ کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہوتی ہے اسی طرح اسلام کی اساس بھی پانچ ستونوں پر ہے، اور پانچوں برابر فرض ہیں، جس طرح نماز، روزہ، حج، زکات فرض ہیں، ''شہادت'' بھی فرض ہے۔ اور ''شہادت'' کہتے ہیں منکر کے سامنے گواہی دینے کو، یعنی جو توحید و رسالت کا منکر ہے اس کے سامنے توحید و رسالت کی شہادت پیش کرنا، یہاں شہادت سے مراد ''اقرار'' نہیں ہے یہی محقق علماء کا قول ہے۔ (دیکھیے تحفۃ القاری)

اس حدیث شریف میں بھی غور کریں: اَلْإِيمَانُ بُضْعٌ وَسَبْعُونَ أَوْ بُضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَىٰ عَنِ الطَّرِيقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ. (متفق علیہ)

اس حدیث شریف میں ایمان کا افضل شعبہ جس کو قرار دیا گیا ہے وہ ہے قول لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ (یعنی اقرار)، معلوم ہوا کہ ایمان اور اقرار میں فرق ہے۔ ہمارے شیخ پالنپوری فرماتے ہیں: کہ پہلے دو وجہ سے ایمان خوب پھیلتا تھا ایک تو یہ کہ مسلمانوں میں اس فریضہ (شہادت) پر عمل تھا لوگ غیر مسلم کے سامنے شہادت پیش کر دیتے، پھر وہ سوچنے پر مجبور ہوتا اور ایمان لے آتا دوسرا یہ کہ جس کے ہاتھ پر ایمان لاتا وہ اس کو اپنی برادری میں شامل کر لیتا اور نکاح اور معاشی لحاظ سے مضبوط کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتا۔

فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ. (صحیح البخاری)

ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کو نیکی کا حکم دے، اور برائی سے روکے،

نیز اگر کسی شخص یا اشخاص کو اپنے سامنے کوئی خاص برائی کرتا ہوا دیکھے تو اس برائی کے وقت اس کو بقدر استطاعت بھلائی کی دعوت دے۔ جیسا کہ حدیث معروف مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ میں فرمایا گیا ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ مسؤلہ ارشاد میں تبلیغ سے کیا مراد ہے تو اس کی تعیین آپ کی زندگی کے اعمال کرتے ہیں، آپ نے کبھی مروجہ تبلیغ سے غیر وابستہ حضرات کو تارک فرض و مردود الشہادۃ نہیں کہا، بلکہ آپ اپنی زندگی کے آخری اوقات میں خائف تھے کہ کہیں یہ استدراج تو نہیں، کہیں بعد میں جاکر کوئی خرابی پیدا نہ ہوجائے۔ اگر قائلِ فرض ہوتے تو ایسا نہ ہوتا۔

(۵) یہ سفر غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے، اور اس لئے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے، یہ اگرچہ قتال نہیں ہے، مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے، جو بعض حیثیات سے اگرچہ قتال سے کمتر ہے لیکن بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلیٰ ہے مثلاً قتال میں شفاء غیظ اور اطفاء شعلہ غضب کی صورت بھی ہے، اور یہاں اللہ کے لئے صرف کظم غیظ ہے، اور اس کے دین کے لئے لوگوں کے قدموں میں پڑکے اور ان کی منتیں خوشامد میں کرکے بس ذلیل ہوتا ہے۔ (ص ۷۸، ۷۹ مانو (۹۳)

گذارش از ہیچ مداں: طلباء مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں، بعض اساتذہ ان میں شروع سال میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آپ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے علم دین کے لیے چنا ہے، حدیث شریف میں ہے: "مَنْ خَرَجَ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ ؛ فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللهِ حَتَّى يَرْجِعَ "(سنن الترمذی) طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ. (سنن ابن ماجہ) مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَبْتَغِي فِيْهِ علْمًا سَهَّل اللهِ لَه طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا لِطَالِب الْعِلْمِ رِضًا بِما يَصْنَعُ. (سنن الترمذی)

ان تمام باتوں کو سن کر طلباء راہ لیتے ہیں، شوق بڑھاتے اور امنگ جگاتے ہیں۔ اساتذۂ مدرسہ کا اس سے ہرگز یہ مقصد نہیں ہوتا کہ آپ حضرات کا مدرسہ میں آکر پڑھنا ہی اس فضیلت کو رکھتا ہے، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو علم آپ حضرات حاصل کرنے والے ہو جس کا آپ نے ذریعہ مدرسہ کو بنایا ہے اس کی یہ فضیلت ہے۔

اس ملفوظ میں بھی ایسا ہی ہے نظر آنا چاہیے یا اس مقولے کو بھی اسی نظر سے دیکھنا چاہیے کہ حضرت مولانا اپنے پاس آنے والے وقت لگانے والوں کو کہہ رہے ہیں: یہ سفر۔۔۔۔الخ یعنی تبلیغ (جو حکمِ شرع ہے) کے لیے جو اسفار آپ حضرات کرنے والے ہیں یا کر رہے ہیں کہ اس تبلیغ کے لیے آپ نے ذریعہ مروجہ تبلیغی جماعت کو بنایا ہے ''اپنے اندر غزوات کے خصائص رکھتا ہے۔''

ظاہر ہے خصائص سے مراد بعض خصائص اور اس کی اقل مقدار دو یا تین خصوصیتیں ہیں، جہاد کی طرح ترک وطن کیا جاتا ہے، جہاد کی طرح بذل نفس و مال کیا جاتا ہے جہاد کی طرح اعلائے کلمۃ اللہ مقصود ہوتا ہے۔

''اگرچہ یہ جہاد و قتال نہیں ہے'' (جیسا کہ مفظوظ میں آگے مذکور ہے) نہ جہاد و قتال والا ثواب اس پر منصوص ہے لیکن امید کی جاسکتی ہے کی ان چند بعض خصائص میں اشتراک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ جہاد والا ثواب عطا فرمادے۔ پھر حضرت مولانا نے فرمایا ''ویسے ثواب کی امید'' اور لفظ ''ویسے'' اور ''وہی'' میں فرق آپ اور آپ کے تنقیح کرنے والے بخوبی جانتے ہوں گے۔

اس کے علاوہ اس توقع و امید سے نہ کوئی قطعی حکم لگایا جارہا ہے اور نہ احادیث قتال کو تبلیغ یا مروجہ تبلیغ پر چسپاں کیا جارہا ہے، جن حضرات نے ایسا کیا ہے وہ ہمارے نزدیک درست نہیں ہے اس سلسلے میں زیادہ درست بات شیخ پالنپوری کی ہے۔ البتہ تبلیغ کو راہ خدا مان کر جو فی سبیل اللہ کی فضائل ان پر چسپاں کرتے ہیں ان کی بنیاد بھی بعض دلائل بعض مستند فقہاء علماء کے اقوال ہیں اور ایسے اختلافی مسائل میں ہم احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔[1]

آگے حضرت مولانا فرماتے ہیں: ''یہ اگرچہ قتال نہیں ہے لیکن جہاد ہی کا فرد ضرور ہے۔''

معلوم ہوا آپؒ خود اس کو جہاد سے مادون مان رہے ہیں، جہاد سے کم درجہ تسلیم کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ''بعض حیثیات سے یہ جہاد سے اعلی ہے''۔ اس میں تو کوئی کلام نہیں ہونا چاہیے کہ ادنی اعلی سے بعض جزئی اعتبار سے مافوق ہوسکتا البتہ بحث اس میں ہوسکتی ہے کہ وہ جزئی لائق فوقیت ہے یا نہیں، شاید اسی پر آپ کے تنقیح کرنے والے چراغ پا ہیں۔ ''ملفوظ'' میں اس جزئی کو صراحتاً ذکر کیا گیا یعنی قتال میں شفائے غیظ، اور اطفائے شعلۂ غضب ہے جبکہ تبلیغ میں کظم غیظ ہے اور اللہ کے دین کی خاطر اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے۔

---

۱) جوابات کے آخر میں اس سلسلے کا ایک مضمون شامل کتاب کیا گیا ہے۔

کظم غیظ اور دین کی خاطر تذلیل نفس یہ شفائے غیظ اور اطفائے شعلۂ غضب سے درجہ میں بڑھا ہوا ہے۔ یہ اتنی صاف سی بات ہے لیکن آپ کے تنقیح کرنے والے جامہ میں ہی نہیں سما پارہے ہیں، اور چھری چاقو نکال جنگ چپاول شروع فرمادی ہے۔ کہہ رہے ہیں شفائے غیظ اور اطفائے شعلۂ غضب منصوص اور کظم غیظ و دین کی خاطر تواضع منصوص نہیں ہے

شاید ان کے نزدیک یہ نص مراد ہو وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ جب کہ کظم غیظ اور دین کے خاطر تذلیل نفس بھی منصوص ہے،؛وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰه.

اب جب دونوں منصوص ہیں تو دیکھیں اسی جزئی کی وجہ سے قتال کو فقہاء نے حسن لغیرہ میں اور تبلیغ کو حسن لعینہ میں شمار کیا ہے، (اور یہ بات بتادی گئی ہے کہ تبلیغ سے مراد وہ تبلیغ جس کے لیے مروجہ تبلیغی کام کو ذریعہ بنایا گیا ہے)

بہرحال اسی جزئی وجہ سے تبلیغ قتال پر فوقیت رکھتی ہے ورنہ فوقیت کلی جہاد و قتال کو حاصل ہے اور یہ تو اس جہاد کا ایک فرد ہے۔

(٦) میں اپنی صحت اور بقاء حیات کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھنا تو جائز سمجھتا ہوں لیکن اس دینی کام کے قیام و بقاء پر زندگی کے خیال کو مقدم نہیں سمجھتا۔

(۸۳۳، ملفوظ ۱۰)

اس ملفوظ کے جواب پر صاحب تنقیح کی تردید کچھ ایسی ہے کہ ”مارے گھٹنا پھوٹے سر“ ملفوظ میں کہیں نماز توڑنے والی بات نہیں ہے اور صاحب اسی بات کا ہلا بول رہے ہیں۔ اور اس ملفوظ سے ایسا مطلب نکال رہے ہیں جو صاحب ملفوظ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں گزرا ہوگا۔ کیا کوئی ادنی مسلمان بھی نماز پر تحریکی مشاغل کو ترجیح دے سکتا ہے؟! مجیب گودھروی نے بہترین جواب دیا ہے، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے ملفوظ سے وضاحت فرمادی ہے۔ خیر اس ملفوظ کو دوبارہ سمجھتے ہیں: ”میں اپنی صحت اور بقاء حیات کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھنا تو جائز سمجھتا ہوں۔“

نفس اس مسئلہ میں تو کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے ”صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا “ جواز تو سر چشمہ شریعت سے ثابت ہے۔ اور

یہاں ''دینی کام'' سے مراد مخصوص دینی کام یعنی ''مروجہ تبلیغی کام'' ہے۔ کیوں کہ یہاں لفظ ''اس'' سے تعیین وتعریف کر دی گئی ہے۔

اور یہ ''دینی کام'' کوئی منصوص تو نہیں ہے، کہ اس کا حکم شرعی قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہو، اور اس کی سکت کی تعیین وتحدید ذکر کی گئی ہو۔ یہ کام تو سکت کی تعیین وتحدید کے بغیر میں کرتا ہوں اور ابھی فی الحال اس کام کا بہت بڑا مدار مجھ پر ہے اس لیے میں زندگی کے خیال کو اس دینی کام کے قیام وبقا پر مقدم سمجھتا ہوں یہ میری خود کی سمجھ ہے حکم شرعی اور عموم نہیں ہے، اس سمجھ میں مونس میری یہ آیت ہے: مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ (مدینہ والوں اور ان کے گرد وپیش رہنے والے دیہاتیوں کے لئے یہ بات زیبا نہیں تھی کہ وہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں اور رسول کی جان سے زیادہ اپنی جان کو عزیز رکھیں)

(۷) دین کی دعوت کا اہتمام میرے نزدیک اس وقت اتنا ضروری ہے، کہ اگر ایک شخص نماز میں مشغول ہو، اور ایک نیا آدمی آئے، اور واپس جانے لگے، اور پھر اس کے ہاتھ آنے کی توقع نہ ہو، تو میرے نزدیک نماز کو توڑ کے اس سے دینی بات کر لینی چاہیے، اور اس سے بات کر کے یا اس کو روک کے اپنی نماز پھر سے پڑھنی چاہیے۔ (ص ۱۶۸، ۱۶۹، ملفوظ: ۲۰۹)

آپ نے جُرَیج کا واقعہ سنا ہوگا جو ہم سے پہلے بنو اسرائیل میں ایک عابد گزرے ہیں نبی کریم ﷺ نے ہمیں ان کا واقعہ سنایا ہے کہ ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہے تھے ان کی والدہ نے انھیں پکارا: اے جریج! انھوں نے کہا: یارب امی و صلاتی (اے میرے رب یہ میری اماں کی پکار اور یہ میری نماز) اور جواب نہیں دیا، والدہ نے تین مرتبہ پکارا لیکن انھوں نے جواب نہیں دیا اور نماز کو ترجیح دی، ان کی والدہ نے ان کو بد دعا دی کہ اے اللہ اس کو وفات مت دینا تا آں کہ یہ زانیہ کا چہرہ دیکھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔ (بخاری) کیا یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ والدہ پکارے تو نماز توڑ دی جائے؟ نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ یہ حدیث والدین کی اطاعت کے لازم ہونے اور ان کے حق کے عظیم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

ذرا یہ بھی سماعت فرمالیجیے، آپ کو معلوم ہوگا یا معلوم ہونا چاہیے کہ جو عبادات وقتیہ ہوتی ہیں یا بدل چھوڑے بغیر فوت ہونے والی ہوتی ہیں ان کی اہمیت اس خاص وقت یا خاص موقع پر

زیادہ ہوتی ہے میرے خیال سے آپ جیسے ناقد النظر حضرات کے لیے اس کی مثال دینا ضروری نہیں ہے لیکن دیگر قارئین کے لیے مثال دینا فائدہ سے خالی نہیں ہے؛

ایام قربانی میں قربانی سے زیادہ افضل اور کوئی عمل نہیں، مَاعَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ. (ترمذی) نیز جہاد کے دنوں میں تلوار کی جھنکار سے زیادہ افضل دوسرا عمل نہیں، اسی وجہ سے أی الاعمال افضل کا جواب بدلتا رہتا ہے۔

اب ملفوظ کو سمجھیے حضرت مولانا کا مقصد نماز توڑنے کے جواز کو بتلانا نہیں ہے، آپ نے فقط ایک مثال کے ذریعہ سے کسی ایسے شخص تک دعوت پہنچانے کی اہمیت کو بیان کیا ہے جس کو ابھی تک دعوت دین نہ پہنچی ہو اور نہ ہی آئندہ پہنچنے کی امید ہو۔ (نماز توڑنے کے جواز کو بتلانا مقصود نہیں ہے) پھر اس کو ہم صرف ایک فرضی مثال بھی سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ اس نو آمدہ شخص کے لوٹ جانے کے بعد اس تک دینی دعوت پہنچنے کی عدم توقع دشوار ہے الا یہ کہ وہ نو آمدہ نماز سے فراغت کے فورا بعد پانی میں سرنگ بنا کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر کہیں چلا جائے۔ اب اگر اس کو فرضی مثال مانیں تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ مقصود نماز توڑنے کے جواز کو بتلانا نہیں ہے بلکہ دعوت دین کی اہمیت کو بتلانا مقصود ہے۔

یہ پڑھنے کے بعد آپ صاحب تنقیح کی تنقیح کو پڑھیے اور سر پیٹیے۔

(۴) بندہ ناچیز کے نزدیک یہ تبلیغ شریعت، طریقت، حقیقت تینوں کو علی الاتم جامع ہے۔

(۱۹ اپریل ۱۹۴۲ء سالسا اول مکتوب ۱۸/۱۹)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ : إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ فَظُنُّوا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ الَّذِي هُوَ أَهْنَاهُ وَأَهْدَاهُ وَأَتْقَاهُ. (سنن ابن ماجہ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کروں تو گمان کرو آپ سے اس کا وہ معنی جو آپ کے مناسب حال ہو آپ کے ہدایات اور تقوی کے زیادہ قریب ہو۔

یہ ایک اصل کلی ہے ہر ایک کے لیے۔ کسی کو سمجھنے اور پرکھنے لیے کہ اس کے بعض کلام کو جو مبہم ہو یا مجمل ہو یا اس کلام کے ہم تک پہنچنے میں کوئی شبہ ہو تو اس کے اس کلام کو اس کے اکثر کلام، عمل اور مزاج کے موافقت و مناسبت کے حساب سے سمجھا جائے گا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ غیر معصوم کے قول وفعل کی بھی تاویل کی جائے گی: علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بحث کے دوران امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں: ۔۔یہ جہالت اور کند ذہنی کے سبب ہے، اور جو اس طرح گمان کرے وہ اللہ کے ولیوں سے بدگمانی کی جسارت کر رہا ہے۔ عقلمند کو چاہیے کہ ایسے کسی بھی معاملہ میں پڑنے سے بچے۔ بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے مستنبط حکمتوں اور عمدہ لطائف کو سمجھ نہ سکے تو جاننے والے سے سمجھنے کی کوشش کرے اور کبھی آپ ایسی بات دیکھیں گے کہ غیر محققین اسے مخالف شرع سمجھتے ہوں گے حالانکہ وہ مخالف نہیں، بلکہ اولیاء اللہ کے افعال کی تاویل واجب ہے۔ (شذرات الذہب)

اب حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند اور ملفوظ ملاحظہ فرمائیں:

فرمایا کہ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جد جہد بیکار ہو گی اگر اس کے ساتھ علم و دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جد و جہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔ (ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحب ص ۳۵)

فرمایا: لہٰذا علم وذکر کی اہمیت کو اس (دعوت وتبلیغ) کے سلسلے میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خیال رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی۔ (ایضاً)

فرمایا: ہماری تبلیغ میں علم وذکر کی بڑی اہمیت ہے بدون علم کے نہ عمل ہو سکے گا نہ عمل کی معرفت اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے۔ (ملفوظات ص ۴۱)

فرمایا: عمومی اختلاط (گشت اور چلت پھرت) سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعے اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائے پور (خانقاہ) کے خاص مجمع یا خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں تو قلب اپنی حالت پر نہیں آتا۔

(ملفوظات ص ۶۵)

جو شخص تبلیغی اسفار کے بعد اعتکاف یا خانقاہ کی طرف رجوع کو اتنی اہمیت دیتا ہو، علم و ذکر کے بغیر تبلیغی کام کو غیر نافع سمجھتا ہو وہ اس تبلیغی کام کو شریعت، طریقت حقیقت کا جامع نہیں بلکہ بطریق اتم جامع قرار دے! یہ دشوار ہے۔

لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ہم تک الفاظ صحیح نہ پہنچے ہوں یا الفاظ صحیح پہنچے ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ فی الجملہ جامع ہونے کو ثابت کرنے لیے بطور مبالغہ نہ کہ بطریق غلو بطرق اتم کالفظ بڑھایا ہو اور کسی بات کی اہمیت بتانے کے لیے مبالغہ عرفاً رائج ہے، پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ''بندۂ ناچیز کے نزدیک'' کہا ہے نہ حکم شرعی بیان کیا ہے اور نہ ہی کسی پر الزام دھرا ہے۔

یہاں پر صاحب تنقیح نے ایک ملفوظ کو لے کر ایک اور اعتراض کیا ہے: اسی طرح کا ایک دعوی دوسری جگہ مذکور ہے یہ ملاحظہ ہو۔ ''منشی نصر اللہ صاحب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ مجدد وقت ہیں، فرمایا تم سے کون کہتا ہے؟ میں نے کہا لوگوں میں چرچا ہے، فرمایا نہیں، میری جماعت مجدد ہے۔ (مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ص ۱۶۵)

مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جماعت'' کی بایں الفاظ تاویل کی ہے یعنی اس دور کے علماء و صالحین کی وہ جماعت جس سے مولانا کا تعلق تھا گرچہ یہ تاویل تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہے، لیکن اس تاویل سے اتنا ضرور واضح ہوگیا کہ مروجہ تبلیغی جماعت مجدد نہیں ہے، اور یہ بھی بالکل واضح ہے کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بھی مجدد نہیں تھے اس لئے کہ مجدد کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی، لغۃ مجدد کہہ دیا جائے، یہ الگ بات ہے۔ (انتھی کلامہ)

حضرت مولانا کے کلام پر تحفظات تھے اسی کے تصفیہ کے لیے استفتاء بھیجا گیا تھا، اس موقع پر صاحب تنقیح نے حضرت مولانا کا ایک اور ملفوظ لکھ کر تحفظ کا کچھ اس طرح اظہار کیا ہے، معلوم ہوتا ہے مقصود تصفیہ نہیں کچھ اور ہو لیکن یہاں حضرت مولانا پر تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہونا چاہیے اس وجہ سے کہ حضرت مولانا نے تو خود اپنے مجدد ہونے کا انکار کیا ہے، صاحب تنقیح خلط مبحث کرتے ہوئے پتا نہیں کس کی تردید کر رہے ہیں۔ پھر انھوں حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ کی تردید کی یہ کہتے ہوئے کہ ''یہ تاویل القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے ہے''۔ حالاں کہ یہ توجیہ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کر رہے ہیں جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات، مزاج اور ملفوظات کو صاحب تنقیح سے زیادہ بلکہ کئی زیادہ جاننے والے ہیں۔

پھر آپ دیکھیں کہ جو شخص تبلیغی اسفار کے بعد اعتکاف یا رجوع الی خانقاہ کی تاکید بیان کرتا ہو اور اس کو اپنے اس تبلیغی کام کے متعلق اندیشیں ہوں تو کیا وہ اپنی اس جماعت کو مجدد کہے گا، صحیح بات وہی ہے جو حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے اس دور کے علماء و

صالحین کی وہ جماعت جس سے مولانا کا تعلق تھا یعنی علمائے دیوبند مراد ہے۔

(۱) یہ عمل باقی عملوں میں وہ نسبت رکھتا ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو ماسوا سے ہے۔ اس کو کرتے رہو گے تو سب نیکیوں سے انتفاع کی صورت نکلے گی۔ نیکیاں اس کی صحبت سے ایسے ہی فیض پائیں گی جیسے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ یہ عمل حضور ﷺ کا قائم مقام ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ اپنی امت کو وہ خدمت سکھانے آئے تھے جو انبیاء کی تھی۔ (ارشادات میں ۱۶)

اب اس ملفوظ کو عصبیت کا چشمہ اتار کر دیکھیے، میں سمجھاتا ہوں سمجھ میں آجانا چاہیے۔

چلیے سمجھتے ہیں: حضرت مولانا نے کہا کہ ''یہ عمل'' ملفوظ کا سیاق سباق نہیں ہے ہم دیگر اقوال اور لفظ ''عمل'' کی تعبیر سے یہ مراد لینے پر مجبور ہیں کہ یہاں ''یہ عمل'' سے مراد ''اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا، قرآن و سنت سے دوسروں کو روشناس کرانا، تبلیغ کرنا'' جس کے لیے مروجہ تبلیغ کو بطور ذریعہ کے اختیار کیا ہے۔

تو اس کے متعلق فرماتے ہیں یہ ''عمل (دعوت الی اللہ، تبلیغ) باقی عملوں میں وہ نسبت رکھتا ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو ماسوا سے ہے'' تصرفات کلام اور اسلوب کلام سے جو واقف ہیں اس پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ تفضیل مراد ہے ہی نہیں کہ ہم مفضل اور مفضل علیہ کو تلاش کریں بلکہ تشبیہ دینا مقصود ہے اور وجہ تشبیہ بھی بیان کی ہے سب نیکیوں سے انتفاع کی صورت نکلے گی۔۔۔۔ (تشبیہ صرف اتنے ہی جزو میں مقصود ہے)

یعنی جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے اور آپ کی صحبت با فیض سے دیگر نیکیاں فیض پاتی ہیں اسی طرح اس عملِ دعوت سے ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ عمل حضور ﷺ کا قائم مقام ہے اسی وجہ حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت جو سارے عالم کے لیے ہے وہ علماء نے اسی طرح مانی ہے ایک بعثت بلا واسطہ جو قرن اول کے لیے ہے اور ایک بعثت بلواسطہ بعد والوں کے لیے ہے اور وہ واسطہ صحابہ، مجتہدین، علماء ہیں بواسطہ دعوت و تبلیغ (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ اور بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ۔) [دیکھیے رحمۃ اللہ الواسعۃ]

آخر میں اپنے قول کی دلیل دیتے ہیں کہ کیوں کہ حضور ﷺ اپنی امت کو وہ خدمت سکھانے آئے تھے جو انبیاء کی تھی۔ اسی وجہ امت محمدیہ کے اہلِ خیر بھی مبعوث ہیں۔

اخیر میں صاحب تنقیح نے حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بھی نکارا ہے

اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بھی تردید کی ہے۔

یہ دو اعتراضات ایسے ہیں ناچ نہ آئے آنگن ٹیڑھا بات سمجھ میں نہیں آئی تو اس کو اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق غلط کہہ دو، بات درحقیقت یہ ہے کہ کندۂ ناتراش کو گیرائی کی باتیں سمجھائی نہیں جاسکتی۔

پہلے قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ملاحظہ فرمائیں: اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو (تبلیغی) کام میں گھس کر کیے جاویں، اور جو باہر بیٹھ کر اعتراض کرے وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے، اگر اندر گھس کر کوئی اعتراض کرے تب تو ٹھیک ہے لیکن اندر گھسنے والا کوئی اعتراض کرتا نہیں؛ کیونکہ داخل ہونے کے بعد اسے اس کام کا فائدہ معلوم ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ سب باہر کے اعتراضات ہیں جو قابل قبول نہیں۔ (مقدمہ کتاب: کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟)

اب صاحب تنقیح کا اعتراض ملاحظہ فرمائیں: نوٹ میں لکھا گیا ہے کہ اعتراضات تو وہ قابل قبول ہیں جو تبلیغی کام میں گھس کر کئے جاویں، اور جو باہر بیٹھ کر اعتراض کرے، وہ قابل قبول نہیں ہوا کرتے کیا یہ اصول قاعدہ کلی اور مسلمات میں سے ہے؟

کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے کہ منکر و معاصی میں شامل ہو کر اس پر اعتراض کیا جائے، اور اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے؟ اگر نہیں تو اس کا مشورہ کیوں دیا جا رہا ہے؟ ہم لوگ فرق ضال پر جو اعتراضات کرتے ہیں، اگر وہ لوگ بھی اسی قاعدہ کے مطابق ہم سے مطالبہ کریں اور کہیں کہ ہمارے کام میں گھس کر یعنی شامل ہو کر اعتراض کرو، تو کیا اسے قبول کیا جائیگا؟

اقول: اس کلام سے آپ سطحی ذہنیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، کیا حضرت قاری صاحب نے یہ مشورہ ان فرق ضالہ کے بارے میں دیا ہے جن کی ضلالت قطعی اور گمراہی یقینی ہے، اسلوب کلام اور قرائن سے قطع نظر کرتے ہوئے تو یہ مشورہ ہنود و عسائیوں پر رد کے تعلق سے بھی صادق آئے گا کہ جب تک عیسائیت اور بت پرستی میں نہ گھسو اس وقت تک اعتراض مت کرو!

بلکہ یہاں اس تحریک کے بارے میں مشورہ دیا جا رہا ہے جس کے بارے میں قائل کو تو حق ہونے کا یقین ہے اور اکثر علماء کو ہو لیکن کسی کو بعض شبہات ہیں اور وہ دود دور سے سنی سنائی بات پر یا غیر سمجھی بات پر یقین کر کے اعتراض کرنا شروع کر دے۔

اور یہ بات قرین قیاس ہے کہ قریب رہ کر، برت کر جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ دور رہ کر

نہیں آسکتی۔(اس عقلی بات کا انکار بے عقلی ہے۔)

جیسا کہ مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ میری واقفیت مولانا سے بالکل سطحی اور سرسری تھی میں ان کو بس ایک مخلص بزرگ اور حقانی عالم سمجھتا تھا جو اخلاص کے ساتھ تبلیغ کا کام کر رہے ہیں اور اس تبلیغ کا خاکہ میرے ذہن میں بس یہ تھا کہ جاہل و غافل دیہاتی مسلمانوں کو کلمہ سیکھاتے اور نماز روزہ پر لگاتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً۔“

میرا اب خیال ہوتا ہے کہ ایسی ادھوری اور سطحی واقفیت اکثر استفادہ سے مانع اور اچھا خاصا حجاب ثابت ہوتی ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ میں تو واقف ہوں لیکن اس ادھوری واقفیت اور اس سے پیدا شدہ پست تصور کی وجہ سے اس کے دل میں وہ اشتیاق اور طلب کا وہ جوش پیدا نہیں ہوتا جو اس ناواقف کے دل میں ہوتا ہے جو تحقیق و تلاش کے لئے نکلتا ہے۔۔۔۔یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ مولانا کے یہاں جب بار بار حاضری ہوئی اور بعض سفروں میں بھی یکسوئی کے ساتھ حاضر خدمت رہنے اور ان کے ارشادات کو تفصیل سے سننے کا موقع ملا تو قلب و دماغ پر دو اثر ہوئے۔

ایک تو یہ کہ مولانا کی دعوت بڑی عمیق اور اصولی دعوت ہے جو محض غلبہ حال کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص اعانت و توفیق کے ساتھ اصول دین میں بہت گہرے غور و تدبر قرآن وحدیث کے عمیق مطالعہ و تفکر دین کے مزاج طبیعت سے واقفیت اور صحابہ کرام اور قرن اول کے طرز زندگی کے وسیع اور گہرے علم پر مبنی ہے اور وہ چند منتشر اور غیر مربوط اجزاء کا نام نہیں ہے بلکہ مولانا کے ذہن میں اس کا ایک مرتب خاکہ ہے۔ (حضرت مولانا الیاس صاحب اور ان کی دینی دعوت)

مولانا منظور صاحب کا حوالہ دینا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ بات قرین قیاس ہے اور یہ بات فرق ضالہ یا معاصی میں دخول کے لیے مشورے کے طور پر نہیں ہے۔

صاحب تنقیح حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نوٹ میں دوسری عبارت یہ لکھی گئی ہے کہ یوں تو اعتراضات سے مدرسہ (خانقاہ والے) بھی خالی نہیں، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اعتراضات سے خالی نہیں الخ

عمومی اعتراضات سے نہ تو کوئی جماعت خالی ہے اور نہ اکابر میں سے کوئی خالی ہے۔

یہ جواب بناء فاسد علی الفاسد کی قبیل سے ہے، اس جواب میں اعتراض واقعی اور اعتراض فرضی دونوں کو ایک درجے میں کر دیا گیا ہے، اعتراض واقعی سے چشم پوشی کی بنا پر ایسا

جواب دیا گیا ہے، یہ حضرات مروجہ تبلیغ کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے تو ایسے جوابات سے رجوع فرمالیتے، جو اعتراضات واقعی ہوں، انہیں قبول کر کے اپنی اصلاح کرنی چاہے، اصلاحات کو قبول نہ کرنے کا یہ انجام ہے جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (انتھی کلامہ)

اقول: کیا مدارس و خانقاہ پر اعتراض فرضی ہیں، کیا ان پر اعتراضات کا طومار نہیں ہے۔معترض صاحب نے قاعدہ (بناء فاسد علی الفاسد) تو نقل فرمادیا لیکن اس کو چسپاں کرنا بھول گئے۔

یقول: کیا وجہ ہوئی کہ اس فتوی کو مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی توثیق اور دستخط کے بغیر جاری کر دیا گیا۔

اقول: معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم اب عملاً ڈابھیل کے شعبۂ افتاء سے وابستہ نہیں ہیں اب آپ محترم صرف شیخ الحدیث ہیں۔

یقول: مجیب کے ذہن کو سوالات تک رسائی نہیں ہو رہی تھی، تو جواب لکھنے سے معذرت کیوں نہ کر دی گئی۔

درحقیقت خلیفہ و مجاز ۔۔ کے لفظ سے غلط فہمی ہوگئی کہ سائل کا مقصود صرف افہام وتفہیم ہے اور سائل کا مقصد صرف حصول جواب ہے اس لیے اس انداز سے جواب دیا گیا اگر پہلے معلوم ہوتا کہ مقصد مجادلہ و مباحثہ ہے تو ممکن تھا کہ پہلے ہی جواب کی نوعیت کچھ اور ہوتی۔

وَاللهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَعِلْمُهُ أَكْمَلُ وَأَتَمُّ
وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

محمد یحییٰ بن عبدالحفیظ قاسمی

نصوص جہاد اور فی سبیل اللہ کو مروجہ دعوت و تبلیغ پر منطبق کرنا

جہاد کی لغوی اور شرعی تعریف:

حافظ بن حجر اور ملا علی قاری: الجهاد بكسر الجيم هو المشقة لغة وشرعا بذل الجهد في قتال الكفار.

علامہ کاسانی: الجهاد بذل الوسع و الطاقة بالقتال في سبيل الله عز و جل بالنفس و المال واللسان و غير ذلك

علامہ ابن الہمام: الجهاد دعوة الكفار الى الدين و قتالهم إن لم يقبلوا

فقہ مالکی میں ہے: قتال المسلم كافرا غير ذي عهد لاعلاء كلمة الله

(حاشیۃ الشرح الصغیر)

فقہ حنبلی میں ہے: الجهاد قتال الكفار (مطالب لا ولي النهى)

چاروں فقہ میں جہاد کے شرعی معنی قتال میں محنت صرف کرنا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: ”ما الجهاد؟ قال ان تقاتل الكفار اذا لقيتهم.“ جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم کافروں سے قتال کرو جب ان سے مد بھیڑ ہو جائے۔ (رواہ الطبرانی وغیرہ)۔ بخاری شریف میں ہے؛ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله“ جس شخص نے قتال کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو وہ اللہ کے راستے میں ہے۔

جہاد کا اصطلاحی و شرعی مفہوم اور تعارف و تعریف یہی ہے اس کو چھوڑ کر جہاد کی لغوی تعریف (جاهد الامر: کسی کام میں پوری طاقت لگادینا) کی طرف جانا مناسب نہیں۔ محدثین کرام کا طرزِ عمل یہ ہے کہ اپنی کتاب میں کتاب الجہاد کے عنوان کے تحت وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق حکم قتال سے ہے، کسی محدث کا طرز اس کے خلاف نہیں ہے۔

جہاد یا کسی بھی شرعی حکم کو جب شریعت نے اپنی اصطلاح بنالیا ہے تو لغوی تعریفات سے اسلامی احکام کو پہنچانا نہیں جاسکتا۔ بلکہ مدار اصطلاحی تعریف ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے: قال ﷺ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمؤمن من أمنه الناس على دمائهم وأموالهم رواه الترمذى وزاد البيهقي : والمجاهد من

جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر الخطايا والذنوب. (مشکاۃ المصابیح)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مؤمن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں امن حاصل ہو۔ اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنی نفس سے جہاد کرے، اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دے۔

اس حدیث میں لفظ مسلم اور لفظ مومن اور لفظ مہاجر سب کا مفہوم لغت کے اعتبار سے ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ کیا مسلم ہوا جس میں سلامتی نہ ہو، وہ کیا مؤمن ہوا جس میں امن نہ ہو، وہ مہاجر کیسے ہوسکتا ہے جس میں ہجرت بمعنی ترک عصیان نہ ہو۔ اور وہ کاہے کا مجاہد جس میں جہاد کا لغوی معنی جهد النفس (لطاعة الله) نہ ہو۔ اب جب سلامتی مسلمان کی اصطلاحی تعریف نہیں اور امن مومن کی شرعی تعریف نہیں اور ہجران الخطایا مہاجر کی شرعی تعریف نہیں تو جہادنفس بھی جہاد کی اصطلاحی تعریف نہیں ہوگی۔ حدیث شریف کا معنی یہ ہوگا کہ اگر کوئی مجاہد ہے اور جہاد کے کارنامے انجام دے رہا ہے تو اسے اپنے نفس سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے بلکہ بے قابو نفس پر قابو پانا چاہیے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ کافر دشمن کو تو مار رہا ہے لیکن نفس کی خواہشات کے سامنے شکست کھا گیا۔

مذکورہ مسئلہ میں چند علماء کی آراء:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں: تبلیغ والے جہاد کی احادیث کو اپنے تبلیغی اسفار کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور تعجب اس پر ہے کہ یہ اشکال عوام کے بجائے اہل علم کی طرف سے زیادہ آیا ہے! جہاد کے اسفار میں قتال اگرچہ زیادہ معروف ہے لیکن لغت اور نصوص جہاد کو قتال کے ساتھ مخصوص نہیں کرتے۔ اصل جہاد اعلائے کلمتہ اللہ کی سعی ہے، جس کا درجہ مجبوری اور آخری درجہ قتال بھی ہے، قتال اصل مقصود نہیں بدرجہ مجبوری ہے۔

تفسیر مظہری میں كتب عليكم القتال وهو كره لكم کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہاد کی فضیلت تمام نیکیوں میں اس وجہ سے ہے کہ وہ اشاعت اسلام اور ہدایت خلق کا سبب ہے، پس جو شخص ان کی کوشش سے ہدایت پائے گا اس کی حسنات بھی ان مجاہدین کی حسنات میں داخل ہوں گی، اور اس سے زائدہ افضل علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کی تعلیم ہے۔ اس لیے کہ اس

میں حقیقت اسلام کی اشاعت زیادہ ہے۔ فقط اس زمانہ میں تبلیغ سے جتنی ہدایت پھیلی اور پھیل رہی ہے اس سے تو کسی مخالف سے مخالف کو بھی انکار نہیں ہوسکتا۔

جہاد کی لغوی اور شرعی تحقیق یہ ناکارہ اپنی کتاب اوجز المسالک شرح موطا امام مالک اور لامع الدراري على جامع البخاری کے حاشیہ پر تفصیل سے لکھ چکا ہے۔ جہاد کا لغوی معنی مشقت اٹھانے کے ہیں۔ اور شرعاً مشقت اٹھانا کفار کے قتال میں بھی اور اس کا اطلاق مجاہدۂ نفس پر بھی آتا ہے اور شیطان سے مجاہدہ پر بھی آتا ہے اور فاسقوں کے ساتھ مجاہدہ پر بھی۔ اور کفار سے جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے۔ زبان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی ہوتا ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں کثرت سے اس قسم کی آیات اور روایات وارد ہوئی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، مشکوۃ شریف میں یہ روایت شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے منقول ہے۔ ابن عربی نے ترمذی شریف کی شرح میں لکھا ہے کہ صوفیاء کا مذہب یہ ہے کہ جہادِ اکبر نفس کا جہاد ہے اور قرآن کی آیت وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں اس کی طرف اشارہ ہے اور حدیث پاک میں ہے کہ وہ اصل مجاہد نہیں جو دور کے دشمن سے جہاد کرے اصل مجاہد وہ ہے جو اس دشمن سے جہاد کرے جو ہر وقت ساتھ ہے۔

نبی کریم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ کر آئے ہیں۔ الی آخر مَا بَسَطَ فِي الْأَوْجَزِ- اور ظاہر ہے کہ یہاں جہادِ اکبر کا مصداق جہاد بالسیف اور جہاد مع الکفار نہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ باجی نے لکھا ہے کہ سبیل اللہ کا لفظ تمام نیکیوں کو شامل ہے۔ حدیث رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الأكبر مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے۔ اہل علم حوالہ دیکھنا چاہیں تو لامع کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے التشرف بمعرفة احاديث التصوف میں تفسیر روح المعانی سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی آیت جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کہ حضور ﷺ کے پاس ایک جماعت غزوہ سے واپس آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا تم بہت اچھا آنا آئے کہ جہاد اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آئے۔

ان روایات میں جو کچھ ضعف ہے وہ اول تو فضائل میں معتبر ہوتا ہے اور تعدد طرق سے مندفع ہو جاتا ہے۔

علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ *لامع* کے حاشیہ میں ہے کہ فرائض نماز، روزہ وغیرہ چونکہ مقاصد لعینہ ہیں وہ جہاد سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ جہاد کی اصل غرض ایمان اور اعمال حسنہ ہی پر عمل کرانا ہے لامع کے حاشیہ میں ابن عابدین سے نقل کیا ہے کہ اس میں ذرا بھی تردد نہیں کہ ادائے فرائض پر مواظبت اپنے اوقات میں جہاد سے افضل ہے۔ اس لیے کہ وہ فرضِ عین ہے اور جہاد فرض کفایہ ہے۔ اور جہاد صرف ایمان اور نماز ہی کے لیے قائم کرنے کے لیے مشروع ہوا ہے۔ اس لیے اس کا حسن لغیرہ ہے اور نماز کا حسن للعین۔ اس لیے یہ افضل ہے اور ظاہر ہے کہ جو کچھ کوشش نماز وغیرہ کے قائم کرنے کے لیے کی جائے وہ افضل الجہاد ہی کے حکم میں شمار کی جائے گی۔

سبیل اللہ کا لفظ عام ہے:

امام بخاریؒ نے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے پر باب المشی الی الجمعۃ میں حضرت ابوعبسؓ کی حدیث ذکر فرمائی ہے۔ من اغبرَت قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ جو شخص کہ اس کے دونوں پاؤں اللہ کے راستہ میں غبار آلود ہوئے جہنم کی آگ کو اس پر اللہ تعالی حرام کر دیتے ہیں۔ اگر امام بخاریؒ اس حدیث پاک سے جمعہ کی نماز کے لیے پاؤں چلنے کی فضیات پر استدلال کر سکتے ہیں تو پھر اگر مبلغین اللہ کے راستہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کی خدمت کے لیے پاؤں چلنے پر اس حدیث سے استدلال کریں تو ان پر کیا الزام ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ آسان ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں: جہاد کا لفظی معنی جد و جہد اور کوشش کے ہیں۔ اور یہ لفظ دین کے راستے میں ہر کوشش کو شامل ہے اس میں مسلح جد و جہد یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرنا بھی داخل ہے۔ پر امن جد و جہد بھی اور جو اپنی اصلاح کے لیے محنت کرے وہ بھی۔

فرماتے ہیں: یہ بات احقر کی فہمِ ناقص سے بالا تر ہے کہ تبلیغ میں نکلنے پر ہمیشہ صحابہ کرام کے جہاد کے واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے لیکن عملاً جہاد کے بارے میں طرزِ عمل یہ ہے کہ گویا جہاد کوئی شرعی فریضہ ہی نہیں ہے، بلکہ اسے عملاً منسوخ سمجھا جاتا ہے اور جہاد کی بعض اوقات

مخالفت بھی کی جاتی ہے۔ (فتاوی عثمانی: ج ۳)

درس ترمذی میں ہے: اس کے علاوہ ایک اور غلط فہمی اچھے خاصی دینداروں میں پائی جاتی ہے، اور اب وہ غلطی رفتہ رفتہ ہماری تبلیغی جماعت کے حضرات میں سرایت کر رہی ہے، اس لیے اس کی بھی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ جہاد صرف اس وقت اور اس قوم سے مشروع ہے جب کوئی قوم دعوت کے راستے میں رکاوٹ بنے، گویا کہ اصل مقصود دعوت ہے اور اس دعوت کے پھیلانے کے راستے میں اگر کوئی ملک آڑے آئے اور اپنے ملک میں دعوت وتبلیغ کی اجازت نہ دے تب جہاد مشروع ہے لیکن اگر کوئی ملک اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہمارے یہاں آ کر دعوت کا کام کرو تو پھر ان کے ساتھ جہاد مشروع نہیں۔ یہ وہ بات ہے جس کو پہلے صرف متجددین کہا کرتے تھے، اب اچھے خاصے پڑھے لکھے دیندار حضرات اور تبلیغی جماعت کے حضرات نے بھی کہنی شروع کر دی ہے۔

اور اب سے پہلے تو لوگوں سے صرف زبانی سنا تھا لیکن باقاعدہ اس بارے میں تحریر دیکھ لی ہے تب یہ بات کہہ رہا ہوں یہ بات جہاد کی حقیقت نہ رکھنے کے نتیجے میں کہی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف اتنی بات کہ کسی کافر حکومت نے اپنے ملک میں ہمیں تبلیغ کی اجازت دے دی ہے اس لیے اب ہمیں اس کے خلاف جہاد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس لیے کہ محض تبلیغ کی اجازت دے دینے سے جہاد کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جہاد کا مقصد کفر کی شوکت کو توڑنا ہے اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنا ہے، اور جب تک کفر کی شوکت برقرار رہے گی اس وقت تک حق کو قبول کرنے کے لیے لوگوں کے دل و دماغ نہیں کھلیں گے۔ اس لیے کہ یہ اصول ہے کہ جب کسی قوم کی سیاسی طاقت اور اس کا اقتدار لوگوں کے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہوتا ہے، اس قوم کی بات لوگوں کو جلدی سمجھ آجاتی ہے اور اس کے مخالف بات لوگوں کے دلوں میں آسانی سے نہیں اترتی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اگر کسی ملک نے تبلیغ کی اجازت دے دی تو اب جہاد کی ضرورت نہیں رہی اور اب جہاد کا مقصود حاصل ہو گیا، تو یہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔

حضرت مولانا شیخ یونس صاحب جون پوری لکھتے ہیں: *فی سبیل اللہ* کے دو اطلاق میں ایک خاص معنی جہاد اور یہی معنی عند الاطلاق متبادر ہوتے ہیں اس لیے کہ اہل عرف نے عام طور پر اسی میں استعمال کیا ہے۔ ثانی ہر وہ کام جو اللہ کے لیے ہو۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث

دھلوی شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں: وفی سبیل اللہ کنایۃ عن السعی إلی الجهاد وهو المتعارف في الشرع وقدير ادبه السعی إلی الحج والرزق الحلال، كذا في حاشية الترمذی (۱۳۷۱) یہ دونوں استعمال حضرات محدثین کرام و فقہاء عظائم نے بھی کیا ہے۔

امام بخاریؒ، بخاری شریف کتاب الجمعہ (۱۲٤) میں ترجمہ منعقد فرماتے ہیں باب المشي إلى المجمعة اور اس میں یہ حدیث ذکر فرماتے ہیں *من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار بعض شراح نے اثبات ترجمہ میں دور دراز کی تاویلیں کی ہیں لیکن بندہ کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ بخاری نے فی سبیل اللہ ہی کے لفظ سے استدلال کیا ہے كما صرح به العينی وغيره اور اس سے زیادہ قوی بات یہ ہے کہ خود صحابی نے فی سبیل اللہ کے مفہوم کو جہاد سے اہم سمجھا ہے جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے واضح ہے بخاری فرماتے ہیں: حدثنا علی بن عبد الله حدثنا الوليد بن مسلم قال : حدثنا يزيد بن أبي مريم قال: حدثنا عباية بن رفاعة قال : أدركني أبو عبس وأنا أذهب إلى الجمعة فقال : سمعت رسول الله الله من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار۔

حضرت ابو عبس عبد الرحمن بن جبیر نے فی سبیل اللہ کو جہاد سے اہم مراد لیا ہے اس لیے تو مشی فی سبیل اللہ کی فضیلت کے مقام میں اس حدیث سے استدلال فرمایا ترمذی شریف میں عبایہ بن رفاعہ تابعی کا اس معنی پر حمل کرنا مذکور ہے اور کوئی استبعاد نہیں کہ دونوں ہی نے اپنے اپنے وقت پر کیا ہو ابن ابطال اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: والمراد من في سبيل الله جميع طاعاته.

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں (۲۳/٦)*وهو كما قال، إلا أن المتبادر عند الاطلاق من لفظ في سبيل الله الجهاد وقد أورده المصنف يعنی البخاري في فضل المشي إلى الجمعة استعمالا للفظ في عمومه انتهى.*

اسی طرح فقہاء مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ کے مفہوم میں مختلف ہیں کہ آیا منقطع الحاج مراد ہیں *كما هو قول محمد أو منقطع الغزاة كما هو قول أبي يوسف

والمسئلة من كورة في الهداية والمبسوط وغيرهما من كتب المذاهب* وقال الحافظ :الأكثر على أنه يختص بالغازي وعن أحمد وإسحاق : الحج من سبيل الله۔

جب فی سبیل اللہ کا اطلاق جہاد کے ماسوی پر ہوسکتا ہے تو پھر اس عموم میں تبلیغی اسفار کو داخل ماننے میں بظاہر کوئی استبعاد نہیں ہے جبکہ دونوں کی غرض اعلاء کلمۃ اللہ ہی ہے یعنی جہاد باللسان اور تبلیغی اسفار یعنی جہاد باللسان والبیان۔ البتہ جو فضائل خاص طور سے جان فروشی اور سر کٹانے کے بارے میں وارد ہیں اس میں ان اسفار کو داخل ماننا اشکال سے خالی نہیں ہے واللہ اعلم۔

دار الافتاء، دار العلوم دیوبند میں ہے: ادائیگی حقوق اللہ وحقوق العباد کی خاطر جد و جہد کرنا اور اس سلسلہ میں وجود غیر کو اختیار کرنا نیز گناہوں سے بچنے کی تمام صحیح صورتیں فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ) کا مصداق ہیں۔ واللہ تعالی اعلم

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی سے سوال کیا گیا: کیا تبلیغی جماعت کے ہمراہ جانا اور لوگوں کو صرف نماز کی دعوت دینا جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا: جہاد کہتے ہیں؛ خدا کے دین کی خاطر محنت و مشقت جدو جہد کرنے کو۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک صورت یہ بھی ہے جو تبلیغی جماعت کرتی ہے اور خدا کے راستے میں جان دے دینا یعنی دشمنوں سے لڑتے ہوئے اللہ کے لیے مقتول ہو جانا جہاد کا بڑ درجہ ہے جو کہ قتال سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ہے: فضائل جہاد کی حدیثوں کو تبلیغ پر چسپاں کیا جاتا ہے تو یہ بات صحیح ہے اور اس کی وجہ جو عام فہم ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، (۱) ایک خدا کی راہ میں دشمنان اسلام سے قتال کرنا، عامۃً اس کو جہاد کہا جاتا ہے اس کی فضیلتیں مستقل ہیں اور وہ بہت ہی اعلی ہے، دوسری چیز خدا کے دین کے لیے کوشش کرنا اگرچہ اس میں قتال کی نوبت نہ آئے، قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے۔ (۲) غور کیا جائے کہ قتال سے مقصود اصلی خوں ریزی نہیں بلکہ دین کا فروغ مقصود ہے اور قتال بالسیف کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں دین کے فروغ میں ایسی رکاوٹ پیش آجائے جو بغیر قتال بالسیف کے دور نہ ہو سکے، لہذا جو اجر وثواب وسیلہ پر ہے اس سے زیادہ اجر و ثواب اصل مقصود پر ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(مفتی محمود گنگوہی اور جماعت تبلیغ)

حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحب پالن پوری فرماتے ہیں: جہاد قرآن وحدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں: دین کی حفاظت اور سر بلندی کے لیے دشمنان اسلام سے لڑنا۔ جاھد العدو مجاھدۃً و جھاداً کے معنی ہے دشمن سے لڑنا، اور جاھد فی الامر: کے معنی ہیں: کسی کام میں پوری طاقت لگانا، پوری کوشش کرنا، اسی سے مجاھدہ ہے۔

قرآن وحدیث میں یہ لفظ مختلف طرح استعمال کیا گیا ہے:

(۱) کہیں صرف جہاد اور مجاھدہ آیا ہے۔

(۲) کہیں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے۔

(۳) کہیں اس کے بعد اللہ یا اللہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر آئی ہے۔

اسی طرح فی سبیل اللہ بھی کبھی تنہا آیا ہے اور کبھی جہاد کے مادہ کے ساتھ آیا ہے۔

پس جہاں مجاھدہ کا مادہ مطلق آیا ہے یا اس کے بعد فی اللہ یا فینا آیا ہے وہ آیتیں عام ہیں، مفسرین کرام ان جگہوں میں لفظ دین محذوف مانتے ہیں جیسے جاھدوا في الله حق جھادہ یعنی اللہ کے دین کے لیے پوری طاقت خرچ کرو، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لیے انتہائی کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں سجھاتے ہیں، یہ آیات پاک دین کی ہر محنت کے لیے عام ہیں کسی بھی لائن سے دین کی محنت کرنے والے اس کا مصداق ہیں۔

لیکن جہاں لفظ جہاد آیا ہے یا مجاھدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے یا صرف فی سبیل اللہ آیا ہے جیسے مصارف زکوۃ کے بیان میں، اور انفاق کی فضیلت کی آیت میں، وہاں خاص اصطلاحی معنی مراد ہے، اگرچہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے انفاق والی آیت کو عام رکھا ہے لیکن مصارف زکوۃ کی آیت میں جو فی سبیل اللہ آیا ہے، وہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس کا مصداق منقطع الغزاۃ ہیں یعنی وہ مجاھدین مراد ہیں جو دشمنان اسلام سے لڑنا چاہتے ہیں مگر ان کے پاس اسباب نہیں ان کو زکوۃ کے مال سے ہتھیار وغیرہ خرید کر دے سکتے ہیں۔ اگرچہ امام محمدؒ کے نزدیک منقطع الحاج آیت کا مصداق ہے مگر فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

بہر حال جہاں لفظ جہاد آیا ہے یا مجاھدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے، وہاں خاص

اصطلاحی معنی مراد ہیں۔سورہ توبہ میں جہاں بھی اس قسم کی آیات آئی ہیں وہاں حضرت شاہ عبد القادر دہلوی قدس سرہ نے اور ان کی اتباع میں شیخ الہند رحمہ اللہ نے لڑنا ترجمہ کیا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں جو ابواب الجھاد اور ابواب فضائل الجہاد آتے ہیں وہاں بھی یہی خاص اصطلاحی معنی مراد ہوتے ہیں، چنانچہ ترمذی وغیرہ میں جب ابواب الجھاد شروع ہوتے ہیں تو فوراً ذہن خاص معنی ہی کی طرف سبقت کرتا ہے، اور کسی لفظ کو سن کر ذہن کا کسی معنی کی طرف سبقت کرنا: دلیل ہوتی ہے کہ وہی لفظ کے حقیقی معنی ہیں۔ بلکہ جب لفظ جہاد بولتے ہیں تو مسلمانوں ہی کا نہیں غیر مسلموں کا بھی ذہن اسی خاص معنی کی طرف جاتا ہے، لیکن کچھ لوگوں نے ان آیات کو عام کر دیا ہے، اور عام نہیں کیا بلکہ اپنے کام کے لیے خاص کر دیا ہے، وہ اپنے کام ہی کو جھاد کہتے ہیں، دوسرے دینی کاموں کو جھاد نہیں کہتے، اور جب انھوں نے اپنے کام کو جھاد قرار دے دیا تو جھاد کے فضائل میں جو آیات پاک اور احادیث شریفہ آئی ہیں، ان کو اپنے کام پر منطبق کرتے ہیں، ان کی یہ رائے صحیح نہیں، جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے، جب قرآن وحدیث میں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد قتال فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔

البتہ بعض کاموں کو جھاد کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، مگر ان کے لیے یہ الحاق ہی فضیلت ہے، جیسے حدیث میں ہے: من خرج في طلب العلم فهو في سبيل الله حتى يرجع۔

اس حدیث میں طلب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے، یہ الحاق طالب علم کی فضیلت ہے، اسی طرح دعوت وتبلیغ کے کام کو فی سبیل اللہ کے ساتھ لاحق کیا جا سکتا ہے، اور یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہوگی۔قرآن وحدیث میں فضائل جہاد کی جو آیتیں اور حدیثیں ہیں وہ سب فضیلتیں نہ طالب علم پر منطبق کی جاسکتی ہیں نہ تبلیغ والوں پر، یہ خاص بات یاد رکھنی چاہیے۔ (تحفۃ القاری)

تحفۃ الالمعی میں ہے؛ حدیث: یزید ابن مریم کہتے ہیں: عبایہ بن رفاعہ پیچھے سے آ کر مجھ سے ملے، میں نماز جمعہ کے لیے جارہا تھا، انھوں نے کہا: خوشخبری سن لو! آپ کے یہ قدم یہ راہ خدا میں ہیں، میں نے حضرت ابوعبس انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ جس کے قدم راہ خدا میں گرد آلود ہوں وہ جہنم پر حرام ہیں۔

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبایہ تابعی ہیں، اور تابعین کے بھی دوسرے طبقے کے ہیں، ان کی کوئی علمی شہرت بھی نہیں ہے، انھوں نے فی سبیل اللہ کو عام کیا ہے، تمام دینی کاموں کو اور امور خیر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، چنانچہ یزید جو جمعہ کی نماز پڑھنے جارہے تھے، ان کے عمل کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بھی ابواب فضائل الجہاد کے باب ۳ میں جو حدیث آئی ہے کہ راہ خدا میں روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اس کو عام رکھا ہے، کوئی بھی دینی کام میں مشغول آدمی روزہ رکھے تو اس کے لئے وہ فضیلت ثابت کی ہے، اور الکوکب الدری میں اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ جب یہ فضیلت عام ہے تو امام ترمذی اس کو ابواب الجہاد میں کیوں لائے؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ یہ امام ترمذی کی رائے ہے، دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جہاد بھی امور خیر میں سے ہے اس لئے سفر جہاد میں روزہ کی فضیات بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

اور سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۱ جس میں انفاق فی سبیل اللہ کی تمثیل آئی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت، جس سے سات بالیں آئیں، ہر بالی میں سو دانے ہیں، اور اللہ تعالی جس کے لئے چاہتے ہیں اجر بڑھاتے ہیں یعنی زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، اللہ تعالی بڑی وسعت والے خوب جاننے والے ہیں، اس آیت کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے عام رکھا ہے، تمام وجوہ خیر میں خرچ کرنے کو آیت کا مصداق قرار دیا ہے، جہاد میں خرچ کرنے کے ساتھ آیت کو خاص نہیں رکھا۔

اور حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے اپنے تفسیری فوائد میں گول مول بات کی ہے، حضرت کے نزدیک آیت میں فی سبیل اللہ خاص ہے یا عام: اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، اسی طرح سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں جو مصارف زکوۃ بیان کئے گئے ہیں اس میں بھی فی سبیل اللہ کی اصطلاح آئی ہے، حضرت تھانوی نے ترجمہ میں اس کو جہاد کے ساتھ خاص کیا ہے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں وغیرہ بڑھا کر عام کیا ہے، اور فقہ کی کتابوں میں بھی کتاب الزکوۃ میں یہ اصطلاح زیر بحث آئی ہے، علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے *بدائع الصنائع* میں بڑا زور باندھا ہے کہ یہ مصرف عام ہے، مگر بحث وتمحیص کے بعد فتوے کے لئے امام ابو یوسف

رحمہ اللہ کا قول طے پایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد نقطع الغزاۃ ہیں۔

تبلیغی جماعت کے حضرات ان روایات کو عام رکھتے ہیں، بلکہ اپنے ہی کام کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور ان حضرات نے مشکوۃ سے جو ابواب منتخب کئے ہیں ان میں پوری کتاب الجہاد شامل کی ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کا کام بھی جہاد ہے۔

میری اس موضوع پر حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری صاحب قدس سرہ سے گفتگو بھی ہوئی ہے اور مکاتبت بھی ہوئی ہے، حضرت کا موقف یہ تھا کہ ہمارا کام بھی جہاد ہے، حضرت نے ایک خط میں اپنی دلیل کے طور پر ترمذی شریف کی یہی روایت مجھے لکھی تھی عبایہ نے مسجد میں جانے کو فی سبیل اللہ کا مصداق ٹھرایا ہے، پھر دعوت وتبلیغ کا کام اس کا مصداق کیوں نہیں ہوسکتا؟ میں نے جواب لکھا کہ اول تو عبایہ صحابی نہیں ہیں، صحابہ کے اقوال حنفیہ کے یہاں حجت ہیں، اور تابعین کے بارے میں خود امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: *هم رجال و نحن رجال*، یعنی ان کے اقوال ہم پر حجت نہیں، اگر کسی صحابی نے اس اصطلاح کو عام کیا ہوتا تو بات بھی تھی۔

ثانیا: دعوت وتبلیغ ہی اس کا مصداق کیوں؟ آپ اگرچہ *"ہی"* استعمال نہیں کرتے، *"بھی"* کہتے ہیں، مگر تبلیغی جماعت کے عوام نے اس "بھی" کو "ہی" سے بدل دیا ہے، یعنی وہ اپنے ہی کام کو جہاد کہتے ہیں، بلکہ وہ حقیقی جہاد کو بھی شاید جہاد نہیں مانتے، جہاد کے فضائل ان کے نزدیک دعوت وتبلیغ میں منحصر ہیں۔

ثالثا: دیگر دینی کام کرنے والے: مثلاً تعلیم وتدریس میں مشغول اور تصنیف وتالیف میں منہمک لوگ اپنے کام کے لیے فی سبیل اللہ اور جہاد والے فضائل ثابت نہیں کرتے، پھر تبلیغی جماعت ہی یہ روایات کیوں استعمال کرتی ہے؟

البتہ ایک دوسرے خط میں حضرت مولانا محمد عمر نے یہ عقلی دلیل لکھی تھی کہ فی نفسہ جہاد حسن لغیرہ ہے، اور دعوت وتبلیغ کا کام فی نفسہ حسن لعینہ ہے، پس جو فضیلت اور ثواب حسن لذاتہ کا ہے وہ حسن لغیرہ کا کیوں نہیں؟ میں نے جواب میں عرض کیا: کہ یہ ثواب میں قیاس ہے، اس لیے معتبر نہیں، کیونکہ قیاس احکام شرعیہ میں چلتا ہے، دیگر امور توقیفی ہیں، یعنی ان کے لیے نص چاہیے، نیز اجر بقدر مشقت ہوتا ہے، اور یہ بات اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کام میں کتنی

مشقت ہے اور کسی کام کا کتنا ثواب ہونا چاہیے؟ بندے یہ بات نہیں جان سکتے، اور یہاں تو بات بدیہی ہے، جہاد اصطلاحی کی مشقت کے پاسنگ کو بھی مروجہ تبلیغی کام نہیں پہنچ سکتا، پھر وہ اجر و ثواب اور وہ فضائل اس کام کے لیے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور آج تک یہ روایات کسی نے بھی دیگر کاموں کے لیے بیان نہیں کیں۔

اوپر "بھی" اور "ہی" کی بات آئی ہے اس کو ایک مثال سے سمجھ لیں کوہ نور جو ہندوستان کا ہیرا ہے اور نہایت بیش قیمت ہے، اگر وہ ہاتھ سے گر جائے اور اس کے چھوٹے بڑے پانچ ٹکڑے ہو جائیں تو یہ ٹکڑے اپنی قیمت کھو نہیں دیں گے، اب بھی کسی درجہ میں ان کی قیمت رہے گی مگر کسی ٹکڑے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کہے:

میں ہی کوہ نور ہوں، ہاں ہر ٹکڑا کہ ہوں، یعنی اس کا ایک جز ہوں۔

اس مثال سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام ون پیس (یک دانہ) کوہ نور کی مثال تھا، وہ ایک ہی وقت میں داعی مبلغ مفسر محدث فقیہ مجاہد، معلم، مزکی اور حکومت چلانے والے تھے، پھر زمانہ، بعد میں یہ سب کام علیحدہ علیحدہ ہو گئے، پس کسی بھی دینی کام کا کارکن یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں بھی صحابہ والا کام کر رہا ہوں مگر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کہے: میں ہی صحابہ والا کام کر رہا ہوں، اللہ تعالی اس مضمون کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو غلطی ہو رہی ہے اس کی اصلاح فرمائیں (آمین)

اور حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ کے ذہن میں بھی اور اس کا فرق تھا اس کی دلیل یہ واقعہ ہے: ایک مرتبہ حضرت نے مجھے لکھا کہ مجھے علی گڑھ آنکھ دکھانے جانا ہے اگر تو آئے تو ہم جماعت بنا کر چلیں، میں مرکز نظام الدین گیا اور ہم پانچ آدمی جماعت بن کر علی گڑھ کے لئے روانہ ہوئے، رات عشاء کے وقت پہنچے اور ڈاکٹر خالد صاحب کے مہمان ہوئے صبح حضرت نے مجھ سے گجراتی میں کہا (حضرت مجھ سے گجراتی میں بات کرتے تھے) مولوی صاحب میں آپ کو تبلیغ کے لئے نہیں لایا تبلیغ کے لئے تو میں بہت ہوں، میں آپ کو آزاد لائبریری دکھانے لایا ہوں، ہم یہاں تین دن رہیں گے آپ تینوں دن لائبریری میں رہیں اور جمعرات کو مغرب کے بعد جامع مسجد میں میرا بیان ہوگا، اس میں شرکت کریں۔ (تحفۃ الالمعی)

راقم عرض گزار ہے کہ مسئلہ مسحوثہ میں احوط قول حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کا ہے۔ بندے نے ایک معتبر تبلیغی عالم دین کو ایک بڑے مرکز میں حیاۃ الصحابہ کی تعلیم کے دوران دیکھا کہ وہ حضرت ابن عمر کے فرمان: *الجهاد افضل من الحج* کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ اللہ کا راستہ حج سے افضل ہے۔

اور اللہ کا راستہ خاص کر لیا گیا ہے مروجہ دعوت و تبلیغ کے ساتھ۔ اس سے لوگ یہ سمجھیں گے کہ مروجہ دعوت و تبلیغ حج سے افضل ہے، لہذا اس وجہ سے لوگ حج ترک کرتے ہیں اور بیرون جماعت میں جانے کا سوچتے ہیں۔ ایک عامی سے سنا کہ اسلام میں تلوار نہیں ہے اس وقت کا جہاد یہی ہے۔ یہ سب ہذیان گوئی اس وجہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جہادی فضائل کو دعوت و تبلیغ پر چسپاں کرنا عام ہو گیا ہے۔

———

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تبلیغی جماعت پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

پیش لفظ

وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی رَسُولِہِ الْکَرِیمِ

تبلیغی جماعت اپنے اصول، منہج اور طریق کار کے لحاظ سے موافقِ شریعت ہے۔ اسی وجہ سے علمائے سنت نے اس کی بھر پور معاونت فرمائی ہے، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بڑے مداح اور مدد گار تھے اور میں بھی انہی کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہوں اور اس جماعت کو اپنی جماعت کہتا ہوں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: اللہ کی قسم میں تبلیغی جماعت سے محبت کرتا ہوں اس کے کام کا معترف ہوں اس کو اس امت کے لیے ایک نجات کا راستہ سمجھتا ہوں لیکن یہ خرابیاں اگر جاری رہی تو یہ ایک فرقہ بن کر رہ جائے گا امت مسلمہ اور جمہور سے کٹ جائے گا۔ (حضرت کی بات آب زر سے لکھنے لائق ہے، آخری بات لمحہ فکریہ ہے جماعت والوں کے لیے بھی اور جماعت کے بہی خواہوں کے لیے بھی۔)

آمدم برسر مطلب: جنھوں نے بھی اس جماعت پر اعتراض کیا ہے وہ من حیث الجماعت نہیں کیا بلکہ بعضوں کی کمیوں اور غلطیوں پر کیا ہے من حیث الافراد اعتراض کیے ہیں اور اس سے کوئی تحریک مبّرا نہیں ہے۔ البتہ ایک تحریر نظر سے گزری جس میں من حیث الجماعت اس پر اعتراض کر کے اس کو ناجائز اور بدعت قرار دینے کی جسارت کی ہے۔ لہٰذا بندے نے بتوفیق الٰہی اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرتے ہوئے اس کا جواب دیا جو بفضل اللہ دندان شکن ثابت ہوا، اور انھوں نے اپنی تحریر سے رجوع کر کے دوسرے دعاوی بلا دلیل پیش کر دیے اور اس رجوع کو وضاحت کا نام دیا۔ ”برعکس نام نہند زنگی کافور“ مناسب سمجھا گیا کہ اس کو مرتب کر کے قارئین کا مرکزِ توجہ بنایا جائے۔

تبلیغی جماعت پر ایک اعتراض

کیا تبلیغی جماعت کی خیر ان کے شر پر غالب ہے؟

یہ جملہ ۴/ وجوہات کی بنا پر غلط ہے۔

پہلی وجہ: شریعت میں اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ اگر کسی عمل میں خیر اور شر جمع ہو جائیں تو غالب کے اعتبار سے فیصلہ کرلو کہ شر غالب ہو تو کام ناجائز اور خیر کا غلبہ نظر آئے تو کام جائز۔ بلکہ اس کے خلاف قاعدہ موجود ہے کہ ''یجوز اور لا یجوز کا مجموعہ لا یجوز ہوتا ہے۔''

دوسری وجہ: تبلیغی جماعت میں جاکر فائدہ عمل کا ہوتا ہے اور نقصان عقیدہ کا ہوتا ہے۔

مثلاً: ایک آدمی جب جماعت میں وقت لگا کر آتا ہے تو سر پہ ٹوپی، چہرے پہ داڑھی، ماں باپ کی اطاعت اور نظروں کی حفاظت؛ یہ ساری خوبیاں اس میں نمایاں نظر آتی ہیں لیکن لیکن اب اس میں علماء کا بغض آجاتا ہے یا کم از کم علماء کو بیکار سمجھتا ہے کہ یہ تو مدارس میں بیٹھ کر تنخواہ لے رہے ہیں، اصل دعوت و تبلیغ تو ہم کر رہے ہیں۔ پہلے جب کسی عالم کے پاس سے گزرتا تو دل میں احترام ہوتا تھا، لیکن اب دل میں علماء کی، مدارس و خوانق کی تنقیص لیے گھومتا ہے۔ پہلے وہ یہ مانتا رہا کہ میں جاہل ہوں، اور اپنے جہل کا اعتراف کرتا تھا، لیکن اب باوجود جہل کے وہ اپنے کو جاہل ماننے کے لیے تیار نہیں، بلکہ بعض تو اپنے کو علماء سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ گویا جماعت میں جانے سے پہلے جاہل مطلق تھا اب جاہل مرکب بن گیا۔ یہ ہے عقیدے کا نقصان۔

عقیدے کی دوسری خرابی: خود جائے بغیر دعوت کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ وَما إِلَىٰ ذٰلِكَ

نتیجہ: عمل کا فائدہ چاہے جتنا زیادہ نظر آئے عقیدے کا نقصان اس پر ہمیشہ بھاری ہوگا، اس لیے یہ کہنا کہ تبلیغی جماعت کی خیر ان کے شر پر غالب ہے؛ یہ محل نظر ہے، کیونکہ ان کی خیر متعلق بالاعمال ہے اور ان کا شر متعلق بالعقائد ہے۔

تیسری وجہ: دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہوتا ہے۔ جس کی دلیل یہ قرآنی آیت ہے: هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيمٍ. اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر کسی عمل میں خیر و شر دونوں کی توقع ہو تو خیر کو چھوڑ دیا جائے گا اور شر سے اپنے آپ کو بچایا جائے گا، نیز ریاضی کے ایکوشن (equation) کا بھی یہی تقاضہ ہے، کیونکہ جب بھی آپ مائنس اور پلس کو ملٹی پلائے (- x +) کریں گے تو نتیجہ ہمیشہ مائنس میں ہی آئے گا۔

چوتھی وجہ: اہل علم جانتے ہیں کہ منطقی اعتبار سے بھی نتیجہ ہمیشہ ارذل اور اخس کے تابع ہوتا ہے، جائز و ناجائز کا مجموعہ ناجائز، صحیح و غلط کا مجموعہ غلط، نجس و پاک کا مجموعہ نجس، نیز حلال و حرام کا مجموعہ حرام قرار پاتا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری براہین قاطعہ میں لکھتے ہیں: ''مولد ذکر خیر ہی کا نام ہے مگر اس کے ساتھ کوئی امر مکروہ منضم ہو جائے گا تو مجموعہ لاریب مکروہ ہو جائے گا، صدہا مثالیں ہیں، اور قاعدہ کلیہ فقہاء کا ''إِذَا اجْتَمَعَ الحَلَالُ وَالحَرَامُ غَلَبَ الحَرَامُ'' مشہور ہے، پس ان امور لاحقہ (مکروھہ) سے بیشک حرمت و کراہت آوے گی، بدیہی کا انکار بلاہت ہے، صلاۃ قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے، ارض مغصوبہ میں، آگ اور تصویر کے روبرو مکروہ ہو گی۔ انتہی کلام الشیخ.

ہائے افسوس کہ ہم نے براہین قاطعہ کو بریلویوں کی بدعات کے ساتھ مختص مان لیا اور تبلیغی جماعت کی بدعات سے صرف نظر کرتے رہے یہ سوچ کر کہ یہ تو ہماری ہی جماعت ہے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تعلیمات کو فراموش کر دیا وہ رشید احمد گنگوہی جس نے بدعات کے رد میں کسی کی پرواہ نہیں کی، کیا اپنی ذات کیا اپنی جماعت حتی کے اپنے شیخ کی بات کو بھی دلائل سے رد کیا، اور دین محمدی کی حفاظت کو اپنے شیخ اپنی جماعت اپنی ذات ہر چیز پر مقدم رکھا۔ سلام ہو اس مرد مجاہد پر سلام ہو قاطع بدعات پر سلام ہو اس رشید احمد پر۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ، وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ

کوئی اللہ کا بندہ اس عاجز کی تحریر کو ان کبار علماء تک پہنچا دے جو تبلیغی جماعت کی بدعات پر یہ کہہ کر پردہ ڈالتے رہتے ہیں کہ خَيْرُهُمْ غَالِبٌ عَلَى شَرِّهِمْ۔

———————

وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی رَسُولِہِ الْکَرِیمِ

جوابِ آں غزل

عنوان ایک مدعی ہوتا ہے اور ذیل میں ذکر کردہ بات اس کی دلیل ہوتی ہے۔

صاحب تحریر نے جو عنوان قائم کیا ہے آیئے دیکھتے ہیں دلائل ان سے مطابقت رکھتی ہیں یا نہیں اور فی نفسہ عنوان سے قطع نظر کرتے ہوئے دلائل کی کیا حیثیت ہے۔

اگر کوئی تحریک یا عمل سرے سے ناجائز ہو تو اس میں خیر اور شر کی مقدار کو نہیں دیکھا جاتا، عید میلاد اور ماتمِ شہیدِ کربلا کی چاہے کوئی کتنے ہی فوائد بتائے وہ ناجائز ہوگا۔ ہم اگر جشن میلاد یا ماتمِ شہیدِ کربلا پر عنوان قائم کریں گے ''تو جشن/ماتم کیوں ناجائز؟'' یہ ہوگا۔ دھوکہ دینے کے لیے یہ عنوان نہیں قائم کریں گے کہ ''اس میں خیر زیادہ ہے یا شر''۔

صاحب مضمون نے عنوان یہ قائم کیا اور دلائل عدم جواز کے لائے ہیں!!!

ہاں جو چیز جائز ہے تو اس میں دیکھا جاتا ہے کہ اس میں خیر غالب ہے یا شر غالب ہے، جیسے کوئی طلاق دینا چاہتا یا کوئی جائز کاروبار کرنا چاہتا ہے تو دیکھا جائے گا کہ خیر غالب ہے یا شر، لیکن اگر وہ حیض میں طلاق دینا چاہتا ہے یا ناجائز کاروبار کرنا چاہتا ہے اس میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کیا غالب ہے۔ وہ سرے سے ناجائز ہے چاہے کوئی اس میں کتنے ہی خیر شمار کرائے۔

جب ان کے دلائل ہی دعویٰ کے مطابق نہیں ہے تو تحریر سرے سے بے مطلب ہوجاتی ہے۔

لہٰذا ضرورت تھی کہ جرات مندانہ عنوان قائم کرتے پھر عدم جواز کے دلائل پیش کرتے۔

اس کے باوجود تاویلاً اگر ہم یہ مانیں کہ صاحب تحریر تبلیغی جماعت کا عدم جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں لہٰذا خیر کو سرے سے نہ دیکھنے کا مشورہ دے رہے ہیں تو کیا ان کے دلائل تبلیغی جماعت پر فٹ بیٹھتے ہیں؟

چلیے جائزہ لیتے ہیں: آپ نمبر وار ان کی تحریر سے ناچیز کی تحریر ملاتے جائیں۔

پہلی وجہ: شریعت میں اس طرح کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ اگر کسی عمل میں خیر اور شر جمع ہو جائیں تو غالب کے اعتبار سے فیصلہ کرلو کہ شر غالب ہو تو کام ناجائز اور خیر کا غلبہ نظر آئے تو کام جائز۔ بلکہ اس کے خلاف قاعدہ موجود ہے کہ ''یجوز اور لا یجوز کا مجموعہ لا یجوز ہوتا ہے۔''

(۱) جواب: شریعت میں کسی ناجائز چیز کو باقی رکھنے یا اختیار کرنے کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے ہاں جائز کے اختیار کرنے کے لیے یہ قاعدہ ہے۔ لہٰذا جس وقت شراب حلال تھی اور لوگوں کو چھوڑنے کی ترغیب دینا تھا تو قرآن نے فرمایا ''اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا.''

اور صاحب تحریر نہ یہ ثابت کر سکے کہ تبلیغی جماعت ناجائز ہے نہ انھوں نے یہ عنوان ہی قائم کیا ہے۔

اور جو عنوان قائم کیا ہے وہ تب ہے جب عدم جواز ثابت ہو جائے۔ اور جس چیز کا عدم جواز ہی ثابت نہیں کیا بلکہ عنوان بھی ایسا قائم نہیں کیا تو یہ یجوز کے ساتھ لایجوز کہاں رہا، یہ تو یجوز ہی یجوز رہا اور جو تین باتیں نیچے آرہی ہیں اس سے بھی عدم جواز ثابت نہیں ہوتا، اگر اس قاعدہ کو اپنے اطلاق پر رکھا جائے تو مدرسوں اور خانقاہوں بلکہ تحریک جہاد میں بھی کبھی عدم جواز در آتا ہے، کیا پھر ان سب چیزوں کا عدم جواز ثابت کیا جائے گا۔

دوسری وجہ: تبلیغی جماعت میں جاکر فائدہ عمل کا ہوتا ہے اور نقصان عقیدہ کا ہوتا ہے.....

(۲) جواب: دوسری وجہ کا مدار ذاتی تجزیہ اور استقراء پر ہے۔ اور ظاہر ہے استقراء یقین کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ مفید ظن ہے "وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا".

ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ جو شخص پہلے بے راہ تھا جماعت میں جانے کے بعد اس نے مدرسوں کو زکات دینا شروع کر دی۔ خود کی عمر کی حد مدرسہ میں رہ کر تحصیل علم سے متجاوز ہوگئی تھی تو اپنے بچوں اور بھائیوں کو مدرسہ میں داخل کیا تا کہ وہ ان کو عالم بنائیں یہ علم کی تعظیم ہے، اور توحید، عقیدہ اور ایک اللہ سے ہونے کا یقین اور تقدیر پر وثوق بڑھ گیا۔ (استثناء ہر تحریک میں ہے) ہاں کچھ احباب ہیں ایسے جن کی زبان سے مسموم باتیں صادر ہوئی ہیں، لیکن غلبہ یہاں اس وقت دیکھا جائے گا جب تبلیغی جماعت کو جائز شرعا کہا جائے۔ اور محترم تو اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ تبلیغی احباب کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اسم جلالہ کی ضربیں لگانے والوں کو اور رمضان کے اجتماعی اعتکاف کو ہیچ سمجھتا ہے۔ لیکن اس سے تمام لوگوں پر ایک ہی حکم نہیں لگایا جائے گا۔

تیسری وجہ: دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہوتا ہے.....

(۳) جواب: مائنس پلس والی بات تو وہی ہے جو اوپر یجوز اور لایجوز والی گزر گئی۔ اور یہ بات

''دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہے'' یہ اس وقت تو اپنے اطلاق پر ہوتا جب تبلیغی جماعت کا ناجائز ہونا انہوں نے ثابت کیا ہوتا۔ نیز عنوان میں بھی ایسا کچھ نہیں ہے۔ جب ایک چیز جائز ہے اور اس کا غیر مفید ہونے کا استقراء بھی درست نہیں۔ تو ہر ایک اپنے اعتبار سے منفعت اور مضرت کو طے کرے گا اگر اس کو منفعت لگے گی تو اختیار کرسکتا ہے اور اگر اس کو مضرت لگے گی تو اس کو چھوڑ سکتا ہے اس سے نہ تو عدم جواز ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی شر کا غلبہ ثابت ہوتا ہے۔

چوتھی وجہ: اہل علم جانتے ہیں کہ منطقی اعتبار سے بھی نتیجہ ہمیشہ.....

(۴) جواب: ''نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا'' یہ قاعدہ بھی کلیہ نہیں ہے شریعت میں بہت سی جگہ غلبہ پر حکم لگایا جاتا ہے، جیسے کپڑے پر نجاست خفیفہ لگی ہے تو غلبہ کا اعتبار ہوگا، پانی میں مائے مستعمل مل جائے تو وضو کے جواز کے لیے غلبہ کا اعتبار ہوگا، کنویں میں مینگنیاں زیادہ گر جائے تو غلبہ کا اعتبار ہوگا۔ (از ہدایہ)

لہٰذا اگر تبلیغی جماعت میں خیر اور شر کو دیکھنا ہے تو غلبہ کا اعتبار ہوگا اور اگر جواز وعدم جواز کو دیکھنا ہے تو اقل و ارذل کو دیکھا جائے گا۔ عنوان قائم کیا گیا ہے خیر و شر کے تعلق سے اور دلیل لائی جارہی ہے عدم جواز کی!

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے جو قاعدہ ذکر کیا ہے وہ دلیل اصلی کے طور پر ذکر نہیں کیا، دلیل حقیقی تو میلاد اور ذکر خیر کو مذکورہ ہیئت وحقیقت کے ساتھ ایک عبادت کا درجہ دینا ہے جو حدیث کی رو سے ناجائز ہے، جو سنت سے ناجائز ہو اس کو قواعد فقیہ سے ناجائز قرار دینا کیوں کر درست ہوسکتا ہے! اور حضرت سہارنپوریؒ ایسا کیوں کریں گے۔ وہ بدعتیوں کو الزامی جواب ہے کہ اگر تم اس کو احداث نہیں مانتے تو اس قاعدے کی رو سے نہ جائز ہوگا۔ جب کہ یہاں تبلیغی جماعت احداث نہیں ہے، علامہ سہارنپوری رحمہ اللہ کے شاگرد خاص کی تائید اسے حاصل ہے۔ اس کو عبادت اصلیہ کا درجہ اس کے بانیوں نے نہیں دیا۔ بلکہ یہ ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ کی بات کی تردید کی ہے تو کیا ان کی تمام ہی باتوں کی تردید فرمائی ہے یا ان کو بدعتی یا ان کی تحریک ہی کو بدعت قرار دیا؟

اگر معاملہ یہاں پر ارذل کے سپرد کیا جائے، اگر یجوز لایجوز کے سنگم کا یہاں بھی خیال رکھا جائے، اگر مائنس پلس والی منطق یہاں بھی چلائی جائے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ و نور اللہ مرقدہ کے

استاذ محترم نور اللہ مرقدہ کی تمام کاموں ہی کی نفی ہو جائے گی۔

خلاصہ :ہمارے بعض اکابر سے یہ جو بات منقول ہے کہ ''تبلیغی جماعت کا خیر ان کی کمیوں پر غالب ہے یا تبلیغی جماعت مفید ہے لیکن کافی نہیں'' یا اس کام کو اس امت کے لیے ایک نجات کا راستہ قرار دینا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا قول وہ مذکورہ تحریر سے غلط ثابت نہیں ہوتا۔تبلیغی جماعت کی اصل بنیاد خیر پر ہے، اور اس سے لاکھوں مسلمان دین کی طرف متوجہ ہوئے۔ان میں بعض انحرافات یا کمزوریاں ہیں، جو اصلاح کے محتاج ہیں، مگر وہ ''اصل'' نہیں بلکہ ''عارضی'' ہیں۔وہ افراد کی کمیاں ہیں نفس جماعت کی نہیں۔عقیدے کے نقصان سے مراد وہ ہوتا ہے جو بندے کو اسلام سے خارج کر دے یا بدعت و ضلالت میں ڈال دے۔''بعض'' افراد کا ''بعض علماء'' کے بارے میں غلط تصور پیدا ہونا ''عقیدے'' کے نقصان کے زمرے میں نہیں آتا، بلکہ یہ ایک اخلاقی کمزوری اور غلط مزاج ہے۔اس کو ''عقیدے کا نقصان'' کہنا غلو ہے۔

بعض ناسمجھ افراد کا علماء کے بارے میں غلط جملے کہنا، یا غلو آمیز باتیں کرنا جیسے :''جماعت میں نکلے بغیر دین نہیں ملے گا۔'' دعوت کو ایک ہی طرز پر محدود کر دینا اور دیگر دینی شعبوں کی تنقیص کرنا۔یہ بات بھی تسلیم ہے کہ ایسی کمزوریاں ہیں جو قابلِ اصلاح ہیں۔مگر:یہ افراد کی طرف سے ہیں، نہ کہ جماعت کی اصولی تعلیمات میں شامل۔جماعت کے بنیادی اصولِ دعوت: کلمہ، نماز، ذکر، علم، احترامِ مسلم، اخلاص فی العمل ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر موجودہ اکابر دیوبند نے ہر زمانہ میں اس کی تائید کی ہے اور غلطیوں کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔

———————

رجوع بنام وضاحت: بندے کے مضمون کی وجہ سے انھوں نے اپنا موقف بدلا ہے اور تبلیغی جماعت کے مشروط قائل ہوئے۔ اور یہ تحریر لکھی۔

تبلیغی جماعت کے متعلق میرا موقف

از معترض محترم

- مولانا سعد صاحب کو میں بدعتی ضال اور مضل سمجھتا ہوں جسکے ٹھوس دلائل موجود ہیں۔
- مولانا سعد صاحب کے بیانات سننا ان کو آگے فارورڈ کرنا اور دعوتی کام کی ترتیب کے سلسلہ میں انکی باتوں پر عمل کرنا قطعا جائز نہیں۔
- شوری والوں کی بدعت متوہم ہے نسبتاً ان میں اعتدال بھی ہے لیکن کمیاں ان میں بھی بہت ہیں۔
- شوری والوں کے ساتھ مل کر مندرجہ ذیل حدود و قیود کے رعایت کرتے ہوئے کام کرنے کی گنجائش ہے:

۱) ترتیب کو مباح سمجھے اور مباح کی حد کو عبور نہ کرے اگر مستحب سمجھے تو بھی لغیرہ سمجھے لعینہ ترتیب کا استحباب درست نہیں کیونکہ ثابت نہیں اور جماعت والوں کو بھی سمجھاتے رہیں کہ ترتیب مقصود نہیں بلکہ اصلاح نفس اور تبلیغ دین مقصود ہے۔

۲) ہر جماعت میں ایک عالم دین ہو۔ (جس پر مروجہ تبلیغ کا حال غالب نہ ہو) اگر عالم ساتھ نہ ہو تو جماعت میں نہ نکلے۔

۳) من گھڑت روایات سے پرہیز کریں۔

۴) عوام کے مجمع میں غیر عالم بیان نہ کرے چاہے جتنا پرانا ہو۔ (سیکھنا مقصود ہو تو آپسی مذاکروں میں بات کرے)

۵) قتال کے نصوص میں تحریف سے بچیں۔

۶) دین کے دوسرے کاموں پر تنقید سے بچیں۔

۷) مولانا سعد صاحب کی جاری کردہ بدعات سے بچیں۔

۸) اپنی مخصوص ترتیب میں تبلیغ کو منحصر نہ سمجھے۔

اگر ان حدود و قیود کی رعایت ممکن ہو تو شوری والوں کے ساتھ بلکہ امارت والوں کے ساتھ بھی کام کرنے کی گنجائش ہے، اور رعایت ممکن نہیں تو شوری والوں کے ساتھ بھی کام کرنا جائز نہیں۔ انتھی کلامہ

جواب از من ہیچ مداں: عرض گزار ہوں کہ ایک چیز ناجائز سے جائز کیسے ہوگئی؟۔۔ یجوز لایجوز کا مجموعہ یجوز لایجوز سے ممتاز کیسے ہوگیا؟۔۔ کیسے ارذل کو مغلوب کر دیا گیا اور مائنس پلس پلس کب سے آنے لگا؟ خلاصہ یہ کہ آپ کا ماقبل والا مضمون نہایت سرسری تھا۔ پہلے آپ نے سرے سے تبلیغی جماعت کو ناجائز کہا تھا۔ اب مشروط جائز کہہ رہے ہو اور کمالِ ہوشیاری سے مولانا سعد کی مباحثہ میں در اندازی کر رہے ہو۔

دلائل کے تاج خواہشات کے قدموں میں

حضرت قاضی مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سمکلی دامت برکاتہم ایک ایسی ہستی ہیں جو ”قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید“ کا مصداق ہیں۔ آپ نے ابن ماجہ کے دروس میں ایک بات ارشاد فرمائی تھی، جو مکمل یاد تو نہیں ہے لیکن خلاصہ یہ تھا کہ انطباق ایک مشکل کام ہے، یعنی قرآنی آیات، احادیث، قواعد و ضوابط یا مسلم دلائل کسی پر فٹ (چسپاں و منطبق) کرنا، کارے دارد ہے اگر تم کو یہ آ گیا تو بہت کچھ آ گیا۔ انتھی کلامہ

اس کو تطبیق الحکم، تحقیق المناط وغیرہ دوسرے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ عموماً غلطی یہیں ہوتی ہے، لوگوں کے پاس نصوص، بزرگوں کے اقوال اور قواعد موجود ہوتے ہیں لیکن مہارت انطباق سے وہ تہی دست ہوتے ہیں۔ پھر وہ مضبوط دلائل بلکہ منصوص دلائل کو خواہشات کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں، اور نصوص کے آئینے کو اپنی رائے کی گرد سے دھندلا کر دیتے ہیں۔ اور دلائل کی حقیقت کو مسخ کر کے اسے اپنی مرضی کا ترجمان بنا لیتے ہیں۔ اور ایسی ایسی کرتب بازیاں دکھاتے ہیں کہ الامان والحفیظ گویا یہ تحقیق المناط نہ ہو بندر بانٹ ہو۔ اور آئے دن ایسی ایسی گلکاریاں باصرہ نواز ہوتی ہیں کہ دل اندر سے کہہ اٹھتا ہے۔

”یہ بندر بانٹ سرکاری تو پہلے سے بھی بڑھ کر ہے۔“

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کھیل نیا نہیں ہے۔ ہر اغراض پرست، خواہش پسند کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ دلائل کے چہرے پر اپنا نقاب ڈال دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں واقعہ تحکیم ہوا تو ایک گروہ یہ کہتے ہوئے الگ ہوگیا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ. (القرآن) انھوں نے کہا کہ ہم حکم بنانے کو نہیں مانیں گے. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت ایسی بات ارشاد فرمائی تھی جو خوارج کے بعد آنے والے مداریوں کے گردن میں بوجھ بن کر تا قیامت لٹکتی رہے گی۔ آپ نے فرمایا ”

كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيدَ بِهَا بَاطِلٌ ''حق بات سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔

زمانہ دور نہیں گزرا تھا کہ ''جبریہ'' نے سر اٹھانا شروع کیا، انھوں نے بھی اپنا کرتب دکھایا۔ کہا کہ ''وَمَا تَشَاؤُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ'' کہا کہ بندے کا کوئی اختیار نہیں، وہ مجبور محض ہے جیسے المیت فی ید الغاسل۔مردہ بدست زندہ۔ لوگوں نے دیکھا کہ دلائل قرآن سے دے رہے ہیں، مضبوط ترین دلائل ہیں اور اس کی طرف مائل ہوتے رہے لیکن جنھوں نے طریقۂ انطباق پر غور کیا انھوں نے ادھیڑ کر رکھ دیا۔

کسی زمانے میں معتزلہ کا بھی طوطی بولتا تھا ان کا منطق چلانے کا انداز جدا تھا، لیکن مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے کے لیے کسی فیلاسوف کی دلیل تو کام نہیں آئے گی، انھوں نے بھی اپنے کھیل کود کا میدان قرآن کو بنا کر بازی گر بننا چاہا۔ انھوں نے کہا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا لہٰذا انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور أَصْلَحُ لِلْعِبَادِ. اللہ پر لازم و ضروری ہے (العیاذ باللہ) حالاں کہ آیت میں عدلِ الٰہی کی بات ہے، تقدیر کی نفی نہیں ہے۔

زمانہ گزرتا گیا، صدیاں پلٹتی رہیں تا آں کہ گمراہوں کو پیر و مرشدِ اعلیٰ، حضرت اقدس قادیانی خاب اللہ تعالیٰ تشریف لائے۔ اور ان کی نبوت کی دلیل طور پر ''وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ'' یہ آیت کہی گئی۔

غیر منصفانہ تطبیق کی یہ اتنی واضح مثال تھی کہ عام مسلمانوں نے ہی اس کو دھتکار دیا۔ اس طرح کی بہی خواہان امت آتے رہے اور اپنی ضلالت کی چراغ جلاتے رہے اور اپنے اپنے حصے کی کرتوتیں کرتے رہے۔

ہمارے جاوید بھائی کیوں کر پیچھے رہ سکتے ہیں وہ ماضی کی تمام حدوں کو پار کر کے اس میدان کے شہسوار اور اس کھیل کے ممتاز کھلاڑی بننا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا جو بینکی سودی قرض کھانے کے بجائے گاڑی یا زمین خریدنے کے لیے لیا جائے وہ جائز ہے۔ قرآن میں جو سود منع ہے وہ وہ ہے جو کھانے جیسی ضرورت کے لیے لیا جاتا تھا۔ (اور کہا کہ تعدد ازدواج وہ از راہ ضرورت جائز قرار دیا گیا تھا، ضرورت یہ تھی کہ غزوۂ احد کی وجہ سے بیواؤں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا) خیر لوگ آتے گئے اور اپنے اپنے حصہ کا ''خیر'' پھیلاتے گئے اور ہم تماشا دیکھتے گئے کہ

اچانک ہماری بغل سے ایک بچہ نمودار [1] ہوا اور بعد کو اس نے بھی چاہا کہ ہم بھی اسی مئے زلال سے لبوں کو شرابور کریں گے، ہمیں بھی اسی امرت جل کو پی کر مشہور ہونا ہے اور لوگوں کے دلوں میں صدیاں باقی رہنا ہے کیوں کے جس کی ابتداء دمدار نہ ہو اس کی انتہاء خمدار ہی ہوتی ہے۔

انھوں نے کہا تبلیغی جماعت بدعت ہے اور ناجائز، کیوں کہ یہ بجوز لایجوز کا مجموعہ ہے، نتیجہ ارذل واخس کے تابع ہوتا ہے کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ مائنس پلس مائنس ہوتا ہے (مثبت منفی = منفی)۔ انتھی کلامہ

حالاں کہ تطبیق المسائل اور تحقیق المناط ایک دشوار گزار پہاڑی اس پر وہی شخص چڑھ سکتا ہے جس کو علم میں رسوخ ہو پختہ کار فقیہ ہو اور اہل اللہ اور اہل علم کی ماتحتی میں عرصہ دراز علم و تقوی کے دیے جلائے ہوں علاوہ ازیں وہ راسخین و واثقین کی اتباع کرے اور اس میدان میں اپنے گھوڑے کو لگام دے۔غیر اہل کا یہاں اقدام نہ صرف علمی خیانت ہے بلکہ اس سے حق و باطل رل مل جاتے ہیں۔

جو لوگ غلط تطبیق کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، دراصل وہ نہ صرف اپنے علم کو برباد کرتے ہیں بلکہ دوسروں کے ایمان کے ساتھ بھی کھلواڑ کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ''الفاظ کے خزانوں کو لوٹتے ہیں اور معانی کی امانتوں کو ضائع کرتے ہیں۔''

(نوٹ: ان فرقوں سے جوڑنا فقط دلائل کے عدم انطباق میں ہے۔یعنی جس طرح استدلالی حالت ان لوگوں کی تھی اس طرز استدلال میں موصوف کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔یعنی غیر مطابق دلیل پیش کرنے میں۔

---

1) معترض محترم بندہ کے شاگرد ہیں۔

آں محترم کا جواب بر تحریرِ من اور گزارشات بندہ

محترم مفتی یحییٰ صاحب نے میلاد اور ماتم کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا اور کہہ دیا کہ دونوں سرے سے ناجائز ہیں۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ (دونوں بدعت ہونے میں برابر ہیں۔ یحییٰ) آگے حضرت سہارنپوی کی بات کو الزامی دلیل کہنے کا جواب بھی آرہا ہے (یہ وعدہ موصوف وفا نہ کر سکے۔ یحییٰ) اور عدم مطابقت بین العنوان والمعنون والی بات اسی پر متفرع ہے، لہٰذا وہ بھی درست نہیں ہوگی۔ (یہ بھی ثابت نہ کر سکے۔ یحییٰ)

پہلی بات یہ ہے کہ یہ قاعدہ خیر ہم غالب علی شر ہم جائز میں اختیار وعدم اختیار کے پہلو کو مد نظر رکھ کر استعمال کیا جاتا تو بات درست ہوتی، اور یہ اشکال بھی بجا تھا، لیکن اس قاعدہ کا استعمال جواز وعدم جواز کے وقت کیا جاتا ہے؛ یعنی دلائل کی بنیاد پر جب تبلیغی جماعت کے اعمال بدعت قرار پاتے ہیں، اس وقت یہ قاعدہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس استعمال کو تو مفتی صاحب خود غلط کہہ رہے ہیں۔ (ان کی یہ پوری بات ناقابل فہم ہے۔ موصوف کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکے جس اعمال تبلیغ بدعت قرار پاتے ہوں، یہ ابھی تک فقط دعوی بلا دلیل ہے۔ یحییٰ)

دوسری بات: پہلی وجہ کی نفی میں ''لایجوز'' کا مصداق جماعت کو قرار دے دیا، اور پھر اس پر نتیجہ یہ مرتب کر دیا مفتی یحیی صاحب نے کہ عدم جواز تو ثابت ہی نہیں ہوا تو یجوز اور لا یجوز ایک ساتھ کہاں ہوئیں، بلکہ ''یجوز ہی یجوز رہا''۔ حالانکہ لایجوز کا مصداق جماعت نہیں بلکہ اس میں پائے جانے والے منکرات ہیں۔ اور یجوز کا مصداق اس میں پائے جانے والے معروفات ہیں۔ ہاں پھر اس کے نتیجہ میں جو ''لایجوز'' ہوگا، اس کا مصداق جماعت بنے گی لیکن مفتی صاحب نے خلط کر دیا ہے۔

(آپ نے جو حکم لگایا تھا پوری جماعت پر لگایا تھا اور اپ اس سے پہلے بھی پوری جماعت کو بدعت کہہ چکے ہیں اور بعد میں اپنا دعوی بدلتے ہوئے ایک گروہ کو متواہمہ اور دوسروں کو متحققہ کہہ چکے ہیں۔ اپ نے مائنس پلس کو پورا مائنس قرار دیا ہے تو پھر اب اس میں گنجائش کہاں باقی رہتی ہے۔ جب اپ نے پوری جماعت پر یکسر حکم لگا دیا پھر جب میں نے اپنی تحریر میں پکڑ کی تو اپ واپس پہلے کی طرح رائے بدلنے لگے اور کہنے لگے کہ میرا مطلب یہ تھا اور میرا مطلب وہ تھا۔ یحییٰ)

خیر ہم غالب علی شرہم والے مضمون میں ہمارا دوسرا پوائنٹ یہ تھا: کہ جماعت میں جاکر فائدہ عمل کا ہوتا ہے اور نقصان عقیدے کا ہوتا ہے: اس وجہ کے سلسلہ میں مفتی یحیی صاحب فرمارہے ہیں کہ اس کا تعلق استقراء سے ہے اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ ہمیں تسلیم ہے۔ لیکن استقراء جس ظن کا فائدہ دیتا ہے اور آیت میں جس ظن کے بارے میں کہا گیا ہے، کیا دونوں ایک ہیں؟ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:

﴿وما يتبع أكثرهم﴾ فيما يعتقدونه. ﴿إلا ظنا﴾ مستندا إلى خيالات فارغة وأقيسة فاسدة كقياس الغائب على الشاهد والخالق على المخلوق بأدنى مشاركة موهومة، والمراد بالأكثر الجميع أو من ينتمي منهم إلى تمييز ونظر ولا يرضى بالتقليد الصرف. ﴿إن الظن لا يغني من الحق﴾ من العلم والاعتقاد الحق. ﴿شيئا﴾ من الإغناء ويجوز أن يكون مفعولا به و ﴿من الحق﴾ حالا منه، وفيه دليل على أن تحصيل العلم في الأصول واجب والاكتفاء بالتقليد والظن غير جائز. ﴿إن الله عليم بما يفعلون﴾ وعيد على اتباعهم للظن وإعراضهم عن البرهان.

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ دونوں ظن الگ الگ ہیں، اگر مفتی صاحب کی بات کو تسلیم کرلیا جائے تو منطقی استقراء کی پوری بنیاد ہی ڈھے جائے گی! پھر مفتی صاحب اقرار کریں کہ استقراء کوئی دلیل نہیں اور اس سے استدلال باطل ہے تو ہم اسکا بھی جواب دینگے۔

(قرآن میں ہے "وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا" علماء نے اس کا ترجمہ کیا ہے :یقیناً ایسا گمان حق کو جاننے کے سلسلہ میں ذرا بھی فائدہ مند نہیں۔ ظاہر ہے کسی جماعت پر حکم لگانا وہ بھی گمراہی اور بدعت کا یقین کا محتاج ہے اور ظن اس میں مفید نہیں ہے اور استقرا سے جو ظن حاصل ہوتا ہے تو اس کی بنا پر بدعت اور گمراہی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اس حساب سے بندے نے کہا تھا اور اللہ کا شکر ہے یہ کہنا صحیح ہے۔ اور جس طرح استقرا سے اپ کو کسی بات کا علم ہوسکتا ہے ہم کو بھی ہوسکتا ہے اور یقینا ہم نے بھی بہت قریب سے تبلیغی جماعت کو دیکھا ہے اور وقت بھی لگایا ہے اور صرف میری بات نہیں ہمارے بزرگوں اور علماء نے اپنا اپنا استقرا تجزیہ لکھا ہے کہ یہ جماعت مفید ہے۔ دارالعلوم کا استقراء ملاحظہ فرمائیں: تبلیغ و دعوت کا کام ہر

زمانے میں علمائے کرام کرتے چلے آئے ہیں۔ البتہ باقاعدہ منظم طریقہ پر جو موجودہ جماعت تبلیغ کا نظام چل رہا ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع فرمایا، اور ان کی ہمنوائی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند و دیگر اہل حق علمائے کرام فرماتے رہے۔ ۱۲/ دیگر کبار علماء کے استقراء بھی آرہے ہیں ظاہر ہے ان کے استقراء کے مقابل میں آپ کا استقراء ایسا ہی ہوگا جیسے ایک شخص دہلی گیا اور اس نے دیکھا ایک شخص کھڑے ہوکر پیشاب کر رہا ہے دوسرے کو بھی دیکھا پھر تیسرے کو بھی دیکھا۔ لہٰذا اس نے یہ حکم لگادیا کہ استقراً یہ بات ثابت ہے کہ دہلی کے تمام لوگ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہیں۔ ایسے ہی استقراء کے بارے میں بندے نے کہا کہ یہ مفید نہیں ہے۔ منطق میں بھی یہ بات موجود ہے۔ یحییٰ)

اور اس آیت کا یہ بے جا استعمال تو ہم نے ان لوگوں کے یہاں دیکھا ہے جو منکر حدیث یا منکر فقہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ یہ سب ظنیات ہیں اور ظن حجت نہیں ہے۔ بہ طور مثال سرسید کا اصول نمبر ۸، تصفیۃ العقائد، حضرت نانوتوی ظن غالب یقیناً حجت ہے ہاں ظن ناقص حجت نہیں ہے۔ اور آپ نے جو اپنا استقراء پیش فرمایا ہے یہ نا صرف ظن ناقص ہے بلکہ ظن فاسد ہے۔ کیوں کہ اکابر علمائے امت کا استقراء اس کے خلاف ہے اور اسی ظن فاسد کا ابطال قرآن نے فرمایا۔ جیسا کہ اوپر قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے گزر چکا۔ یحییٰ)

مفتی صاحب بالفعل اس تحریک سے نہ اب وابستہ ہیں نہ شاید پہلے کبھی وابستہ تھے۔ تو ان کے استقراء کا ایسے شخص مراد یہ عاجز ہے کے استقراء کے سامنے کیا اعتبار جو خالص تبلیغی گھرانے میں پیدا ہوا ہو، اور خود بھی اچھا خاصہ وقت اس تحریک میں گذارا ہو اور اس کے لوگوں سے براہ راست، بہ کثرت واسطہ ہو اور دو سال سے مستقل اسی میدان میں کام کر رہا ہو؟! (بندۂ ناتواں تو پوری زمانۂ طالب علمی جماعت کے کام سے وابستہ تھا اور مدرسہ کا امیر جماعت بھی رہا اور مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے بھی اس تحریک سے وابستہ تھا اور نہ صرف گھرانا بلکہ پورا خاندان تبلیغی ہے۔ خیر بندے کا استقراء درخور اعتناء نہ سمجھیں، اکابر علماء کے استقراء کے بارے میں بھی یہی لب کشائی کریں گے۔ اکابر علماء کا استقراء آگے آرہے ہیں۔ یحییٰ)

پھر استقراء سے جو فوائد شمار کرائے ہیں، اس سے انکار کس کو ہے؟ سوال یہ ہے کہ جس

نقصان عقیدہ کی نشان دہی کی گئی اس کے بارے میں مفتی صاحب کا استقراء کیا کہتا ہے؟(ہم مدرسہ میں جانے سے پہلے جماعت میں جاتے تھے، ہمارے سامنے علماء کا کچھ یوں تذکرہ کیا جاتا تھا کہ ہم سمجھتے تھے کہ کسی اور جہاں کی مقدس مخلوق ہیں، جماعت ہی کی برکت سے ہمارے بڑے بھائی کے دل میں آیا کہ اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں کو عالم بنانا ہے پھر انھوں نے علم اور اہل علم کی عظمت کے خاطر ہمیں عالم بنایا بھی۔ صحیح بات یہ ہے موصوف کی بات ناقص تجزیہ پر مبنی ہے، تبلیغی جماعت نے کئی مدارس اور کئی علماء کو جنم دیا ہے، اگرچہ تبلیغی جماعت کی اصل بھی مدرسہ ہی ہے۔ ہاں کچھ لوگوں میں وہ خرابی در آئی ہیں جو موصوف نے ذکر فرمائی ہیں۔ یحییٰ)

پھر مفتی صاحب نے تو عقیدے کے نقصان جو علماء کی تنقیص پر منحصر کر دیا اور اس کو ''ایک اخلاقی کمزوری'' جیسے ادبی جملہ کا استعمال کر کے اتنا معمولی بنا دیا کہ اس کے مقابل کو وہ غلو سے تعبیر کرتے ہیں، حالانکہ اہل علم کی تحقیر کو فقہاء نے موجب کفر میں شمار کیا ہے؟ کیا اب بھی یہ عقیدے کا معاملہ نہیں ہے؟ اور کیا فقہاء کرام کا یہ جزئیہ غلو پر مبنی ہے؟

(بندہ انحصار کیوں کرتا، آپ ہی نے صرف تنقیص مدارس و خوانق کو ذکر کیا تھا۔ پھر بندہ نے عرض کیا تھا کہ--بعض افراد کا ایک طرح کے علماء کی--پوری بات پڑھ لیجیے: ''بعض افراد کا بعض علماء کے بارے میں غلط تصور پیدا ہونا ''عقیدے'' کے نقصان کے زمرے میں نہیں آتا، بلکہ یہ ایک اخلاقی کمزوری اور غلط مزاج ہے۔ اس کو ''عقیدے کا نقصان'' کہنا غلو ہے۔'' اس میں بندے نے کہیں تنقیص و تحقیر کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ ہاں بعض افراد سے صدور ہوا ہے لیکن وہ افراد کی غلطی ہے جماعت کے اصول میں داخل نہیں ہے، اور جنھوں نے اس طرح کا غلط رویہ اختیار کیا ہوا ہے وہ اس بنا پر نہیں کہ وہ اہل علم ہیں، اس وجہ سے وہ قابلِ تحقیر ہیں (**جو گراں بات اور قابلِ مؤاخذۂ شدید ہے**) کیوں کہ وہ مخصوص افراد اپنے علماء کی تو تعظیم خوب بجالاتے ہیں۔ یحییٰ)

بعض علماء کا تبلیغی جماعت کے بارے میں تجزیہ و استقراء

تبلیغ و دعوت کا کام ہر زمانے میں علمائے کرام کرتے چلے آئے ہیں۔ البتہ باقاعدہ منظم طریقہ پر جو موجودہ جماعت تبلیغ کا نظام چل رہا ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع فرمایا، اور ان کی ہمنوائی حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم ہند و دیگر اہل حق علمائے کرام فرماتے رہے۔ (دارالعلوم)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت کے بڑے مداح اور مددگار تھے اور میں بھی انہی کے اسوۂ حسنہ پر کاربند ہوں اور اس جماعت کو اپنی جماعت کہتا ہوں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: اللہ کی قسم میں تبلیغی جماعت سے محبت کرتا ہوں اس کے کام کا معترف ہوں اس کو اس امت کے لیے ایک نجات کا راستہ سمجھتا ہوں۔

تبلیغی جماعت اور مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ:

بروایت مولانا فریدی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ: امروہہ میں تبلیغی جماعت کے کام کی بنیاد مولانا فریدی رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد کا ثمرہ ہے۔ آپ تبلیغی جماعت کے سرگرم، فعال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۵ء سے وفات تک تقریباً بیالیس سال امروہہ اور حلقۂ امروہہ کے تبلیغی جماعت کے امیر اور ذمہ دار رہے۔ سیکڑوں جماعتیں بنابنا کر قریب و بعید میں بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی تشریف لے جاتے تھے۔ آپ نے نوجوانوں میں دین کا عجیب خاموش درد پیدا کر دیا تھا۔ حیرت یہ ہے کہ انگریزی اسکولوں کے جدید تعلیم یافتہ نوجوان آپ کے پاس کثرت سے آتے تھے اور ہر شخص پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہوجاتا تھا۔ آپ نے بے شمار مساجد کو آباد کرایا، چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں جہاں مسجدیں نہ تھیں، مسجدیں تعمیر کرائیں اور جہاں مساجد تھیں، وہاں مدرسہ شروع کرایا۔ آج کتنے ہی مدارس ہیں، جو آپ کے قائم کردہ ہیں اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

الہ آباد میں حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۸۷ھ=۱۹۶۷ء کی خدمت میں حاضری ہوئی، میرے دل میں کچھ اشکالات تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے میرے عرض کرنے سے پہلے ہی اپنی مجلس میں سب حل کر دیئے۔ میرے اوپر بہت رقت طاری ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھ یونیورسٹی میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہاں آپ کا وعظ ہوا، تبلیغی جماعت میں لگے ہوئے طلباء کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ: ''جو بات میں ان کے اندر دیکھتا ہوں میرے پاس بیٹھنے والوں میں وہ بات نہیں۔'' اور فرمایا کہ: ''جماعت کا کام برابر کرتے رہنا اور بہت ہی خوشی ظاہر کی۔''

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ایسے استفسارات پہلے (بھی) یہاں آئے ہیں، ان کا جواب دیا گیا ہے، اب آپ نے بھی کیا، آپ جیسے حضرات سے یہ امر تعجب خیز ہے۔ یہ تبلیغ آج سے نہیں ایک زمانہ دراز اس پر گذر چکا ہے اور اب یہ عروج پر ہے، جب علماء اس میں شریک ہیں (تو) انہوں نے اس کی ضرورت کو اور اس کی شرعی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس کام کو عمل میں لایا ہوگا۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح و لائح ہے۔ اس کے بعد سوال کی اور پھر ہم جیسے لوگوں سے (تائید و تصدیق کی) کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے؟۔ کام مقصود ہے اور اس کو شرعی طریقہ سے کرنا ہے، اور علماء دونوں کو جانتے ہیں، پھر ان کی تقلید کو جو ضروری سمجھ رہا ہے اس پر ان کی تقلید ضروری ہے، جو کام کرتا ہے اس کی اہمیت کو وہ عمل سے پہلے اور شرعی نقطہ نظر سے اس کو سمجھ لیتا ہے، بس یہ دونوں باتیں پیش نظر ہیں، پھر اب سوال کی حاجت نہیں، سوال عمل سے پہلے پیدا ہوتا ہے اور اب سوال سے کیا فائدہ؟ اب تبلیغ اپنے عروج پر ہے وہ روز بروز بڑھتی ہی رہے گی، جو اس کے موافق ہوں خلوص سے اس کو عمل میں لائے، سوال سے تردد کا پتہ چلتا ہے کہ ابھی عمل کے جواز ہی میں تردد ہے یا سب کو اس میں شریک کرنا چاہتا ہے، بہت سے کام ہیں اور ضروری ہیں، سب کو کرنا ہے، ایک جماعت اس کے لئے ہونا بھی ضروری ہے، اور بس حدود شرع کا پاس ولحاظ ہر جماعت کے لئے ضروری ہے۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ۔

(چشمہ آفتاب، بحوالہ تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات)

تبلیغی جماعت اور شیخ العرب والعجم حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

تبلیغی جماعت میں نکلنا کیمیا ہے: اللہ والوں کی مجالس میں اہتمام سے شرکت ہو اور تنہائی میں ان سے وقت لے کر اپنا حالِ زار بتا کر مشورہ کریں اور عام حالات میں تبلیغی جماعت میں نکلنا بھی عجیب کیمیا ہے۔ کیوں کہ اس جماعت میں آدمی اپنے ماحول سے دور ہو کر اور صالحین کے ماحول میں رہ کر اچھے اثرات کو قبول کر لیتا ہے اور مشاہدات ہیں کہ اس جماعت کے اندر دفتر کے ملازمین، کالج کے لڑکے اور تاجر طبقہ مل جل کر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دینی درسگاہ کے طالب علم یا استاد یعنی ظاہری صورت صالحین کی معلوم ہوتی ہے۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی، حکیم اختر صاحب)

مودودی صاحب لکھتے ہیں: جب ابتداء میں تبلیغی جماعت کی متعلق خبریں آنے لگی تو سوچا کہ جا کر خود دیکھ لوں کہ کیا ترتیب ہے۔ ریل کے ذریعے میواتی علاقے میں پہنچا جہاں سے مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء کی تھی۔ قصبے کے گلیوں میں کچھ کسان بستر لے کر ملے، میں نے پوچھا یہ آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا ہم ساتھ والے گاؤں دعوت و تبلیغ کیلئے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کس نے سکھایا یہ کام؟ ان پڑھ اور غریب کسان بتاتے تھے کہ اللہ بھلا کرے یہ مولوی الیاس ہے اس نے ہمیں کلمہ سکھایا پھر نماز سکھائی پھر ہم دوسروں کے پاس جا کر سکھانے لگے۔

فرمایا: صاحب! ہم تو جاہل گوار دہاتی تھیں ہمیں تو دین کی کوئی خبر نہیں تھی، حلال حرام کی تمیز نہیں تھی، یہ مولوی الیاس نے ہمیں دین سکھایا ہمیں اللہ کا راستہ بتایا۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر مجھے عجیب احساس ہوا کہ یہ تو وہی صحابہؓ کی باتیں ہیں دعوت کا طریقہ بھی اسی انداز کا۔ ویسے ہی کلمے سے شروع ہو کر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے۔ نہ کوئی جھنڈا نہ اشتہار نہ جلسے جلوس۔ اور تاثیر اس قدر گہری کہ زندگیاں بدل جاتی ہیں۔

واضح رہے کہ میواتی قبیلے کے بارے میں لکھا ہے کہ انتہائی سخت قسم کے جاہل لوگ تھے ان میں یہ کام بظاہر کرامت تھی۔ (یہ مضمون حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک کتابچے میں چھپا ہے۔ تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات کے نام سے ہے)

تبلیغی جماعت اور برطانیہ کے نوجوان حفاظ اور علماء: گذشتہ دنوں ہماری مسجد میں تبلیغی جماعت کی تین جماعتیں آئیں، ایک چالیس دن کی جماعت، دوسری چار ماہ کی پیدل جماعت اور تیسری مستورات کی جماعت، ان جماعتوں میں زیادہ تر نوجوان شریک تھے ان میں سے

ایک نوجوان حافظ کا قران سن دلی خوشی ہوئی کہ الحمد للہ برطانیہ کے مدراس میں حفظ و قرات کا بہترین انتظام ہے، آج سے بیس پچیس سال قبل رمضان میں بیرونی ممالک سے حفاظ برطانیہ آ کر قران سناتے تھے اور اب الحمد للہ ہر مسجد میں دسیوں حفاظ آپ کو ملیں گے، مساجد کی تعداد کم ہیں اور حفاظ کی تعداد زیادہ، عام طور پر برطانیہ کی مساجد میں دو تین حفاظ مل کر تراویح میں قران سناتے ہیں، ہمارے ایک دوست نے بتایا کہ ان کی مسجد میں دس حفاظ تراویح میں قران سناتے ہیں ہر حافظ صاحب دو دو رکعات پڑھاتے ہیں، یہاں نوجوان علماء کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جارہی ہیں، اس کا اندازہ صرف ہماری مسجد سے لگا لیجئے کہ آج سے بیس سال پہلے جب میں آکسفورڈ آیا تو یہاں کوئی نوجوان برٹش بورون عالم ہمارے پاس نہیں تھا اور آج صرف ہماری مسجد کے پڑھے ہوئے تقریبا چھ طلبہ علماء بن چکے ہیں اور ہمارے مدرسے میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

ان سب کے پیچھے تبلیغی جماعت کی محنت کا بڑا دخل ہے، ہمارے والد صاحبؒ فرماتے تھے کہ تبلیغی جماعت کی کبھی بھی مخالفت مت کرنا یہ دنیا میں اللہ کا دین پھیلا رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جماعت کی محنت کے نتائج آج برطانیہ کی ہر مسجد میں نوجوان حفاظ اور علماء کی صورت میں نظر آرہے ہیں۔ (از ۔۔امام عطاء اللہ خان)

تبلیغی جماعت اور حضرت اقدس مولانا یوسف لدھیانوی شہید: اس ناکارہ کو ایک عرصہ تک تبلیغی اسفار میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اور اکابرِ تبلیغ کی نجی سے نجی محفلوں میں بیٹھنے اور ان کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے، حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ناکارہ کو اس سلسلے میں جس قدر قریب سے قریب ہونے کا موقع ملا ہے، اسی قدر اس کام کی افادیت اور اس کام میں لگنے والے حضرات کی حقانیت اس ناکارہ پر کھلتی گئی ہے، اس لئے یہ ناکارہ کامل انشراح اور پوری بصیرت کے ساتھ یہ اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام نہایت مبارک ہے، اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ہے، اور تمام مسلمان بھائیوں کا اس بابرکت کام میں لگنا دنیا و آخرت کی سعادتوں کا ذریعہ ہے، حق تعالیٰ شانہ ہمیں اپنی رضا و محبت نصیب فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اپنے مقبول بندوں کی رفاقت و معیت نصیب فرمائیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد۹)

آخری مضمون پر معترض موصوف گویا ہوئے: ”اکابرین کی تائید اجمالی تھی تفصیلی نہیں یا یوں کہ سکتے ہیں کہ اکابرین کی تائید معروفات کے تعلق سے تھی منکرات اور بدعات کے تعلق سے نہیں۔۔۔۔ اگر تائید دکھانا ہو تو اکابرین کی تفصیلی تائید دکھائیں اجمالی نہیں یا وہ تائید دکھائیں جس میں وہ تبلیغی جماعت کے معروفات کی وجہ سے ان کے منکرات کو روا رکھنے کی تائید کر رہے ہوں کیونکہ معروفات پر ہمیں اعتراض ہے ہی نہیں اعتراض تو منکرات پر ہے یا معروفات اور منکرات کے مجموعے کو سند جواز فراہم کرنے پر ہے۔تفصیلا جب علامہ یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو جماعت میں نکلنے کو حرام قرار دیا۔

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:لوگ مجھ سے شکایت کرتے رہتے ہیں کہ تبلیغ والے علما کے خلاف ذہن بناتے ہیں، اور میں ہمیشہ تبلیغ والوں کا دفاع کرتا رہتا ہوں، لیکن آپ کے خط سے مجھے اندازہ ہوا کہ لوگ کچھ زیادہ غلط بھی نہیں کہتے، آپ جیسے عقلمند جن کو دین کا فہم نصیب نہیں ان کا ذہن واقعی علما کے خلاف بن رہا ہے، یہ جاہل صرف تبلیغ میں نکلنے کو دین کا کام اور دین کی فکر سمجھے بیٹھے ہیں، اور ان کے خیال میں دین کے باقی سب شعبے بے کار ہیں۔ یہ جہالت کفر کی سرحد کو پہنچتی ہے کہ دین کے تمام شعبوں کو لغو سمجھا جائے، اور دینی مدارس کے وجود کو فضول قرار دیا جائے، میں اپنی اس رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ تبلیغ میں نکل کر جن لوگوں کا یہ ذہن بنتا ہو وہ گمراہ ہیں اور ان کے لئے تبلیغ میں نکلنا حرام ہے۔ انتھی کلامہ

جواب از بندہ پر تقصیر: ہمارے اکابر کی قلم و زبان بہت حساس ہوتی ہے، نہ وہ جذبات میں قلم اٹھاتے ہیں نہ زبان ہی سے کچھ روا رکھتے ہیں، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کام کو اوپن رکھا ہے شیعوں کی طرح پوشیدہ عقائد نہیں ہے۔ یہ جو لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بندے نے ارسال کیا، اس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ آپ فرمارہے ہیں:”اس ناکارہ کو ایک عرصہ تک تبلیغی اسفار میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اور اکابرِ تبلیغ کی نجی سے نجی محفلوں میں بیٹھنے اور ان کے حالات کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے، حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ناکارہ کو اس سلسلے میں جس قدر قریب سے قریب ہونے کا موقع ملا ہے، اسی قدر اس کام کی افادیت اور اس کام میں لگنے والے حضرات کی حقانیت اس ناکارہ پر کھلتی گئی ہے، اس لئے یہ ناکارہ کامل انشراح اور پوری بصیرت کے ساتھ یہ اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا کام

نہایت مبارک ہے، اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ہے"
ایک ایک لفظ پر غور کریے کس قدر درک اور تفصیل پر مطلع ہونے کے بعد کس قدر وقیع کلمات ارشاد فرما رہے ہیں۔اور آپ کہہ رہے پہلے اجمالی سرسری فتویٰ تھا!!!

حضرت کے ہر دو فتاوی کے درمیان تطبیق مناسب دینا ہماری رائے میں ان کے شایان شان ہوگا کہ یوں کہا جائے اصل تبلیغی کام کو آپ نے نظر استحسان اور لائق قدر سمجھا ہے اور جن لوگوں میں ذکر کردہ بگاڑ پیدا ہو رہا ہے ان کے لیے نکلنا آپ نے منع فرمایا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی اپنے تلامذہ کو یہ نصیحت تھی: ”میری تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا۔ اور تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونا پڑے تو میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسی کمزوریوں کا جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں جو لحاظ کریگا اس کا فیصلہ جائز نہ ہوگا، نہ اس کے لئے خدمت قضا حلال ہے، نہ اس کی تنخواہ لینا درست ہے۔“ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس تحریر میں عہدہ قضاء کو ناجائز ہونا بتارہے ہیں یا جو شخص ذکر کردہ باتوں کا خیال نہ رکھے اس کے لیے ناجائز ہونا بتا رہے ہیں؟؟

مولانا ابراہیم آل صالح سلمہ نے ایک بہترین واقعہ سنایا کہ کسی شخص نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ دیا کہ ہر جماعت کا ایک جھنڈا ہوتا ہے آپ کی جماعت کا بھی ہونا چاہیے، حضرت کو رائے اچھی لگنے پر قبول کر لیتے تھے، انھوں نے کہا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو آنے دیں ان سے مشورہ کر کے جواب دوں گا، جب شیخ الحدیث تشریف لائے تو آپ کو منع فرمادیا، پھر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

جو شخص اپنی بہت سی باتوں میں علماء سے مشورے لیتا ہو اور جماعت کے اندرون سے باخبر کرتا ہو، پھر رہنمائی بھی شیخ الحدیث صاحب کی جنھوں نے اوجز لکھی، بذل کے معاون رہیں شارح بخاری ہیں، اور اپنے وقت کے مفتی اعظم ہند کی بھی تائید رہی ہو اور اس کی تفصیلات کا علم رکھنے کے بعد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے گراں قدر الفاظ رقم کریں ہوں وہ جماعت محبوب عند الناس والعلماء نہ ہوگی تو کیا ہوگی؟ ہر زمانے میں علماء نے اس کو سینچا ہے، اور پیار بھری نگاہوں سے دیکھا ہے، بلکہ بندے نے ایک شارح مشکات کو دیکھا کہ اس جماعت کو انھوں نے من جملہ مجدد جماعت لکھا ہے۔

ناچیز کی آں محترم کو نصیحت اور دیگر حضرات کو آگاہی و گزارش: آپ کو میں نے پہلے بھی کہا تھا (از راہ احتیاط بر بنائے استاذ) کہ آپ اپنے کسی استاذ کی رہنمائی میں لکھیں تو بہتر ہوگا، آپ نے جواب دے دیا کہ مولانا سعد صاحب کو ایسا مشورہ کیوں نہیں دیا جاتا۔ میں نے یہ بھی کہا تھا آپ کے دعاوی بدلتے رہتے ہیں، میں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا تھا کہ قواعد کا انطباق بہت مشکل کام ہے اور آپ اس میں فی الحال پھسڈی ہیں۔ انطباق کا درک نہ ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے بندر کے ہاتھ میں قواعد کی چھڑی دے دی جائے اور وہ اسے جہاں چاہے گھمائے۔

ایک بات اور گوش گزار کر لیں، بندہ آپ کو حقیقت اگر دکھا رہا ہے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ بندہ آپ سے بحث کر کے جس نتیجے پر پہنچا ہے وہ طلبائے فائن ٹچ کے سامنے بھی رکھی جائے جو فارغ ہو چکے ہیں اور جو نہیں ہوئے ہیں، اور وہ نتیجہ یہی ہے۔ ”آپ صرف قواعد ذکر کرتے چلے جاتے ہیں انطباقی صلاحیت کسی پختہ کار عالم بزرگ کی خدمت میں رہ کر سیکھی نہیں ہے۔ اکابر کے انطباق کے بجائے ذاتی انطباق پر بھروسہ زیادہ ہے۔۔ اپنے استقراء کا دوسروں کے استقراء پر مقدم رکھتے ہیں۔ دلائل صحیحہ کے بجائے دعاوی کی کثرت ہوتی ہے۔ اردو تعبیریں اور اکابر کی عبارتوں پر محاکمہ کرنے میں ناقص ہیں۔ آپ رد کرنے میں جلد بازی کر جاتے ہیں، ایک جماعت سے تعصب بھی رکھتے ہیں، جس سے بات کی حقیقت تک پہنچنے میں خطا ہوتی ہے۔ بات صحیح طرح سمجھ نہیں پاتے ہو پوری طرح سمجھے بغیر رد کر دیتے ہو۔ ان میں سے ہر ایک کو مثال سے بھی مزین کیا جا سکتا ہے۔ بغرض آگاہی و اصلاح پیش خدمت ہے۔

ناچیز: محمد یحیی بن عبد الحفیظ

آں محترم کی کج فہمی: موصوف نے بندے کی ان باتوں کو طعن تشنیع قرار دیا اور اپنی اس بات کو جو انھوں اس وقت کہی جب بندے نے ان کے مضمون پر علمی نقد کیا؛ کہا ”جس طرح خیر و شر کو تبلیغی جماعت سے قبول کرتے ہیں تو یہ ڈسکاؤنٹ ہمیں بھی دیجیے اور اس بات کو دلیل الزامی قرار دیا“ تو بندے نے عرض کیا: ”کوشش اسی بات کی رہی کہ ہمیشہ دلائل سے بات کی، البتہ بندے کے پیش نظر وہ طلباء و احباب اور خود آپ کی ذات کی اصلاح ہے، اس لیے دلائل کے ساتھ جہاں کوتاہی نظر آتی ہے گزارش کر دی گئی ہے، تا کہ ہمارے احباب کو بھی علم رہے۔ ہماری گزارش کو خود ارا طعن و تشنیع سے تعبیر نہ کریں اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ

بندے نے آپ کا عدم انطباق ظاہر کیا پھر گزارش کی۔ بندے نے آپ کے دعاوی کی تبدیلی کا مشاہدہ کیا پھر گزارش کی۔ بندے نے ہر گزارش سے پہلے علمی انداز میں ثابت کیا اتنا تو مان رکھیے کہ اس کو طعن وتشنیع نہ کہیں، میرے خیال سے ہمارے احباب سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ طعن وتشنیع نہیں ہے اور نہ ہم نے ہر گز طعن وتشنیع کے لیے کہا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ گزارشات تھیں اور مقصود اصلاح تھا، اور آپ اپنی ان باتوں کو دلیل الزامی کہہ رہے ہو تو میرے عندیہ کو تقویت پہنچا رہے ہو کہ آپ کو دلائل کی بھی پہچان نہیں ہے۔ خیر آپ اپنی بات کو ایک اچھا محمل دیں، اور بندے کی گزارشات طعن وتشنیع پر محمول کریں، یہ تو انصاف نہیں۔

قدرے سخت الفاظ اسی لیے لکھیں ہیں بات سمجھ میں آئے اگر برے لگیں وہ الفاظ تو معذرت خواہ ہیں۔

آخری بات: تبلیغی جماعت کے اس مبارک کام پر لوگوں کی طرف سے ناواقفی کی وجہ سے نکتہ چینیاں بھی ہوئیں، اس کے کام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی کوشش بھی کی گئی، اور ان کو بدنام کرنے کے لئے افسانے بھی گھڑے گئے، لیکن یہ اللہ کا کام ہے، الحمدللہ! کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں سے اپنے دین کی دعوت کا کام لے رہا ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی رحمت وعنایت سے قوی امید ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اس کام کے لئے کھڑا کرتے رہیں گے۔ اس سلسلے میں ایک نہایت اہم مضمون پیش خدمت ہے:

دین کی مددگار جماعت

از قلم: محمد فہیم الدین بجنوری (سابق استاذ دار العلوم دیوبند)

ہمارے فضلاء تبلیغ پر برسنے کے لیے بہانے اچکتے ہیں، یہ رویہ اذیت ناک ہے، ہر کس وناکس جست لگاتا ہے، ہم تبلیغ کے رہین احسان ہیں، محسن کے تسامح اور تجاوز کی اصلاح مثبت رنگ میں کی جاتی ہے، ان کی عیب جوئی احسان فراموشی ہے، یہ حروف تبلیغی جماعت کے احسان مند ہیں، والد گرامی تاجر تھے، ان کو معاون درکار تھے، چچا جان امیر جماعت تھے، انھوں نے مدرسہ دکھایا، تبلیغیوں نے جان کی بازی لگا کر مسجدیں ہمارے لیے فتح کیں، میرے گردونواح میں چھ مساجد ہیں، ایک چھوٹی مسجد کے علاوہ سب دیوبندی ہیں، جماعتیوں نے مار کھائی اور یہ مسجدیں جیت کر دیوبند کو تفویض کیں، چھ مساجد کے علاوہ تین مصلے ہیں، سب تبلیغیوں نے قائم کیے ہیں۔

اسلام کے دامن میں مجددین کی کمی نہیں؛ مگر کام اور محنت کے رنگ میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہ مجدد کا نام مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ ہے، ان کی تیار کردہ جماعت ایمان وعمل کی میزان میں صحابہ کی سب سے بڑی مثال ہے، ان دعوؤں کی تردید آسان نہیں، جہنم کی گرم بازاری کے دور میں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نمود ہوا اور انھوں نے اپنی فنائیت اور فدائیت سے جنت کو گرم بازار اور جہنم کو کساد بازار بنا دیا۔

تبلیغیوں سے تصادم کا حل اپنائیت کے رنگ میں تلاش کریں، راقم نے محلہ بڑ ضیاء الحق دیوبند میں قیام کے دوران مسجد عالی شان میں دس سال تفسیر بیان کی، ابتدا میں عشا کے بعد والا وقت میری ترجیح تھی، تبلیغی بھائیوں نے مشورے وغیرہ کا عذر رکھا، ان کے نکات اہم نہیں تھے؛ مگر میں نے ان کی بات رکھ لی اور فجر بعد کا وقت منتخب کیا، دس سالہ میعاد میں پچیس پاروں کی تفسیر ہوئی، تبلیغ کے تمام احباب پابندی سے شریک رہتے، کبھی کوئی ناگواری پیش نہیں آئی، دارالمدرسین کی تعمیر کے بعد ادھر منتقل ہوا تو سلسلہ موقوف ہوا، فجر کی نماز میں وہاں پہنچنا مشکل تھا۔

تبلیغ ایک مستقل راہ ہے، خود مدارس باہم شاکی ہیں؛ جب کہ مدارس کا طریق ایک ہے، میں یک مشربی مدارس کی مثال دے رہا ہوں، دوریاں غیر معمولی ہیں؛ لیکن ہم سکوت اختیار کرتے ہیں، صرف اس لیے کہ مخالف بھی منہ میں زبان رکھتا ہے، ہاں تبلیغی بے زبان ملے، اصلاح کا گرز ان پر بے رحمانہ چلتا ہے، یہ اپنے ہیں، ان کی گرفت دوستانہ ہو، دو مدرسے متفق نہیں، تبلیغ تو پھر جداگانہ منہج ہے۔

نظریاتی کام کی فطرت یہ ہے کہ وہ غلو اور مبالغے کے بغیر قائم نہیں ہوتا؛ حالاں کہ غلو ممنوع ہے، یہ اعتراض سب پر وارد ہے، قدیم محدثین پر بالخصوص، ان کے احوال محفوظ ہیں، جس سرگذشت کو ہم قربانی کہتے ہیں اس پر سنجیدہ شرعی اشکال ہیں، حقوق متاثر ہوے، جس حد تک وہ گئے وہ صریح تجاوز ہے؛ لیکن اسی مبالغے نے دین زندہ کیا، کام ایسے ہی ہوتا ہے، کوئی اہم مضمون پورا کرنا ہو تو رات کالی ہوتی ہے، یہ بھی شرعا منع ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو تبلیغ کے ماسوا گفتگو سننے کے متحمل نہیں رہ گئے تھے، بیمار ہو جاتے تھے۔

جس طرح دو مدرسوں کے تعصب اور تحزب سے فرقے نہیں بنتے؛ اسی طرح اہل حق کی جماعتوں کے جداگانہ رنگ وآہنگ سے فرقہ وجود میں نہیں آتا، ہاں وہ اپنے کام کی افضلیت پر مصر

ہوتے ہیں اور یہ دعوی سب جگہ ہے، میں ایک تنظیم سے اگر وابستہ ہوں تو الگ سے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میرے نزدیک وہی تنظیم سب سے افضل ہے، فنائیت اور فدائیت کے بغیر کوئی نقش وجود میں نہیں آیا، وہ عمل میں آگے نکل گئے ہیں، آپ پیچھے رہیں گے تو الزام تو آئے گا، پھر آپ بے تکی باتیں کرتے ہیں، ایک تبلیغی بھائی نے بتایا کہ فلاں مسجد کے امام صاحب برسر منبر کہہ رہے تھے کہ میرا سونا تمھاری رات بھر عبادت سے افضل ہے، تبلیغی کارکنان ہدف تھے۔

تبلیغی سادہ لوح ہیں، حضور ﷺ کے دور میں یہ اعراب کہلاتے تھے، آپ ان کی سادگی کے قدردان تھے، لَا أَزِيدُ وَلَا أَنْقُصُ کو قبول کر لیتے تھے، جب کہ یہ واجب التاویل ہے، ان کی تعبیرات میں تحقیق و تنقیح ممکن نہیں، یہ علما کی شان ہے، بیشتر گرفت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہہ نہیں پاتے، یہ جواب دہی بھی اہل علم کی ہے، وہ اس تنقیح کے اہل نہیں کہ ہر میدان کی اہمیت ہے اور ہر میدان کے رجال کار ہیں، وہ مینڈک ہیں اور ماورا سے بے خبر اور بے نیاز ہیں؛ مگر آپ فرق کے اہل ہیں، آپ کی بے جا عیب جوئی لائق عذر نہیں۔

کل ہماری مسجد کی جماعت کمیٹی نے طلبہ یعنی عصری اداروں کے اسٹوڈنٹس کا جوڑ رکھا تھا، از عصر تا عشا مسجد میں ایمان کی باد بہار دیدنی تھی، رمضان کا سماں رہا، اس فرق کے ساتھ کہ رمضان میں ہر عمر کے نمازی ہوتے ہیں، کل بیشتر مجمع نو عمر تھا، تبلیغ کی کراؤڈ پلنگ طاقت منفرد ہے، ہمارے اشتہار بھی کم پڑ جاتے ہیں اور ان کا خفیہ نیٹ ورک اجتماع گاہ بھر دیتا ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھی کہ ماڈرن ماحول کے نوجوان کرتے پائے جامے اور جبے میں تھے، ان کا دم گرم ہے کہ جدید طبقہ باریش ہو جاتا ہے، ڈاڑھی، نماز، لباس، پردہ، بچوں کی مذہبی تعلیم اور دین کے تمام مظاہر میں ان کی سبقت بانی تبلیغ کے اعمال نامے کو خراج تحسین پیش کرتی ہے۔

میں ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸ء میں دو مرتبہ چلے کی جماعت میں گیا تھا، یہ طلبۂ دار العلوم کی تعطیل کلاں والی جماعت تھی، زندگی کا بہترین روحانی تجربہ ثابت ہوا، جماعت کی سرگرمیوں کے جلو میں انفرادی ترقی ہوئی تھی، تہجد کی پابندی عام تھی، یاد ہے کہ رونا بھی نصیب ہوتا تھا، میرے یہ دو چلے ازدواج میں کام آئے، سسرال کٹر تبلیغی ہے، نانا سسر سینئر ترین ذمے دار تھے، نوے سال کی عمر میں جماعت ہی میں اللہ کو پیارے ہوے، جمعے کا دن تھا، عصر کی سنتوں کے بعد فرض

کے منتظر تھے بے توازن ہو گئے، سسر صاحب فنا فی التبلیغ ہیں، اس نسبت سے براعظموں کے راہ نورد ہیں، میرے رشتے کے وقت ایک سال کی بحث اٹھی تھی؛ مگر میری خصوصیات کے پیش نظر دو چلے کافی مان لیے گئے، میری بچی تبلیغ میں چلنے کا مزہ دیکھ نظم چلا کر میرے قریب کر دیتی ہے، یہ سب غلو ہے؛ مگر میں انجوائے کرتا ہوں، یہ اپنے ہیں اور اپنے کام کی دعوت دیتے ہیں۔

گمراہی کے بنیادی اسباب

(۱) کتمان حق۔

(۲) تحریف اور اختراعات ۔ نیز بدعات میں اندھی تقلید۔

(۳) اگلوں کی (علماء وصلحاء امت کی) کمیاں نکالنا اور قرآن و حدیث اور اصول سے ان کے نتیجہ نکالنے پر اپنے نتیجہ خیزی کو مقدم کرنا۔

(۴) عقل کو نقل سے مقدم کرنا۔

(۵) تعمق و تشدد و غلو۔

(۶) متشابہات میں غور خوض ۔

(۷) جہالت، جہالت مرکبہ ان دونوں کے ساتھ غرور اور خواہش پرستی ہو تو ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ.